© rasailojaraid.com

عائلی زندگی اور اس کے مسائل کا حل

(سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں)

حافظ محمد سعد اللہ*

اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری دائمی اور آفاقی پیغمبر سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات کو اہل ایمان کے تمام طبقات کے لئے صرف نمونہ ہی نہیں بلکہ ہمہ جہتی کامل اور بہترین نمونہ (اُسوہ حسنہ) قرار دیا ہے۔ کتب تفسیر، حدیث، سیرت، تاریخ اور فقہ کا ذخیرہ اس بات پر گواہ ہے کہ معاشرتی اور انسانی زندگی کا کوئی چھوٹا بڑا شعبہ یا پہلو ایسا نہیں جس کے حل کیلئے نبی رحمت اور محسن انسانیت ﷺ نے رہنمائی نہ فرمائی یا عملی نمونہ نہ چھوڑا ہو۔ جب امر واقعہ یوں ہے تو کیسے ممکن تھا کہ نبی اکرم ﷺ انسانی زندگی کے ایک انتہائی لازمی پہلو، جبلی وفطری تقاضے اور معاشرتی ضرورت یعنی عائلی گوشہ کے بارے میں مسلمانوں کے لئے کوئی نمونہ نہ چھوڑتے۔ چنانچہ آنجناب ﷺ نے ایک بھرپور ازدواجی وعائلی زندگی گزار کر اس معاملے میں امت کے لئے ایک کامل نمونہ چھوڑا اور عملی طور پر بتایا کہ شادی کس طرح خانہ آبادی بنتی اور گھر بظاہر فقر و فاقہ کے باوجود کس طرح پرسکون، جنت نظیر اور خوشیوں کا گہوارہ بنتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کو اپنی عائلی زندگی میں بیویوں کے مہر، نان نفقہ، مطالبات، بچیوں کی شادی، تعلیم و تربیت، اولاد کی وفات، خوشی غمی، میاں بیوی کے درمیان شکر رنجی، سوکناپن کی فطری غیرت کے باعث ازواج مطہرات کے درمیان اختلاف مہمان داری اور خاندانی وسسرالی رشتہ داری کے لوازم کو نباہنا جیسے مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ المختصر رسول اکرم ﷺ کو اپنی عائلی زندگی میں وہ تمام مسائل پیش آئے جو ایک عیالدار آدمی کو عموماً پیش آیا کرتے ہیں۔ آپؐ نے ان جملہ مسائل و معاملات کو جس احسن طریقے سے حل فرمایا اور اس سلسلے میں جو تعلیمات اور عملی نمونہ چھوڑا، اس کی نظیر انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔

عصر حاضر میں مسلمان معاشرہ عائلی زندگی کے حوالے سے جن مسائل اور الجھنوں سے دوچار ہے، ان کا واحد اور آسان حل اسوۂ رسول ﷺ کی پیروی ہے جو شرعی اعتبار سے واجب بھی ہے۔ عائلی زندگی میں اس مثالی نمونہ کو سامنے رکھ کر آج بھی ان تمام گھروں کو امن وسکون، مہر و وفا اور خیر و برکت کا گہوارہ بنایا جا سکتا ہے جو مغربی

* مدیر، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور، پاکستان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تہذیب کی پیروی، میاں بیوی کے جھگڑوں، اولاد کی نافرمانی اور بودوباش میں بلاضرورت تکلف کے باعث جہنم کدے بن چکے ہیں۔

زیرِ نظر تحریر میں عصر حاضر میں عائلی زندگی کو درپیش متعدد مسائل میں سے مقالہ کی عمومی ضخامت کے پیش نظر صرف چند اہم اور بنیادی مسائل کا جائزہ اور ان کا حل سیرۃ النبی ﷺ اور تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

(۱) گھر کی سربراہی کا مسئلہ:

عصر حاضر میں عائلی زندگی کو درپیش مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ گھر کی قیادت اور سربراہی کا ہے۔ شوہر اپنی جسمانی ساخت، مردانہ طبیعت و جبلت اور عائلی ذمہ داریوں کے باعث اپنے آپ کو گھر میں قائد اور سربراہ منوانا چاہتا ہے اور مرد و زن میں مساوات کے غیر فطری نظریے اور مغربی تہذیب سے متاثر پڑھی لکھی اور آزاد منش بیوی اسے اپنی ہتک و توہین اور حق تلفی تصور کرتی ہے

اس مسئلے میں بنیادی اور اصولی بات یہ ہے کہ گھر ایک چھوٹا سا معاشرتی ادارہ ہے اور کسی بھی چھوٹے بڑے ادارے کو قائم رکھنے، اس کے نظام کو بہتر انداز میں چلانے، اس کے ممبران یا عملہ کی رہنمائی اور ان کی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے انتظامی اور عقلی طور پر ضروری ہے کہ اس ادارہ کا کوئی سربراہ و ذمہ دار اور منتظم ہو اور یہ سربراہ یا منتظم وہی ہونا چاہیے جس کے اندر اس ادارے کو چلانے کیلئے درکار ضروری صلاحیت و استعداد موجود ہو۔ اس میں ادارہ کے دوسرے کسی بھی ممبر یا فرد کی ہتک و توہین نہیں بلکہ یہ ایک انتظامی ضرورت ہے جس کے بغیر وہ ادارہ چل نہیں سکتا۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ اس ادارہ کا سربراہ صرف ایک آدمی ہو ورنہ وہ ادارہ تباہ ہو کر رہ جائے گا۔ جس کی طرف قرآن مجید نے اپنے بلیغ انداز میں یوں اشارہ کیا ہے:

لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (۱)

''اگر زمین و آسمان میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور معبود بھی ہوتے تو ان کا نظام درہم برہم ہو جاتا''۔

اسی مذکورہ ضرورت کے پیش نظر تعلیمات نبوی میں مرد کو جسمانی و دماغی قوی میں خلقی برتری اور مالی ذمہ داریوں کے باعث گھر کا سربراہ قرار دیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ (۲)

''مرد عورتوں پر نگران ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بعض (مردوں) کو بعض (عورتوں) پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(خلقی اعتبار سے) فضیلت دی ہے اور اس لیے کہ مرد (عورتوں پر) اپنے مالوں میں سے خرچ کرتے ہیں۔ تو نیک عورتیں (اللہ کے اس حکم اور خاوندوں کی) اطاعت کرنے والی ہیں (اور خاوندوں کی) غیر موجودگی میں (ان کی عزت و مال کی) حفاظت کرنے والی ہیں۔

آیت ہذا میں "قوامون" کا واحد "قوّام" ہے، جس کا معنی: امور کا منتظم، اچھی نگرانی کرنے والا یا امیر ہے۔ (۳) اس لفظ میں اسم مبالغہ کا مفہوم مدنظر رکھتے ہوئے علامہ رازی نے اس کا معنی یوں بیان کیا ہے:

"القوّام اسم لمن یکون مبالغاً فی القیام بالامر یقال ھذا قیّم المرء ۃ وقوامھا للذی یقوم بامرھا یھتم بحفظھا" (۴)

"قوّام عربی لغت میں اس شخص کو کہا جاتا ہے جو کسی معاملے کی اچھی طرح نگرانی کرتا ہو۔ اس مفہوم کے مدنظر عورت کا قیم یا اس کا قوّام اس آدمی کو کہا جاتا ہے جو اس عورت کے معاملہ کی نگرانی کرتا اور ہر طرح اس کی حفاظت کا اہتمام کرنے والا ہو"۔

مرد و زن میں ہر اعتبار سے مساوات کے قائل لوگوں کے ذہن میں سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ گھر کی سربراہی مردوں کو کیوں سونپی گئی ہے؟ تو اس کا جواب بھی آیت کے اگلے الفاظ میں دے دیا گیا ہے اور اس کی دو بنیادی وجوہات بتائی گئی ہیں۔ ایک وجہ تو وہبی ہے اور دوسری کسبی۔ وھبی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تکوینی مصلحتوں اور بقائے نسل انسانی کی خاطر مرد و عورت کی جسمانی ساخت اور توالد و تناسل کے ضروری تقاضوں اور خصوصیات و عوامل کے حوالے سے مرد اور عورت کے درمیان کھلم کھلا فرق بلکہ تضاد رکھا ہے، جو چنداں محتاج وضاحت نہیں۔ اس کے علاوہ متعدد جسمانی، دماغی، عملی اور دینی و دنیوی امور میں بھی مرد کو عورت پر برتری دی گئی ہے۔ علامہ زمخشری نے زیر نظر آیت کی تفسیر میں عورتوں پر مردوں کی قوامیت کی عقلی دلیل یا وجوہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"اہل علم و دانش نے بیان کیا ہے کہ عقل، احتیاط، عزم و استقلال، قوت و طاقت، گھڑ سواری اور تیر اندازی جیسی صفات میں مرد عام طور پر عورتوں پر فضیلت رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء و مرسلین بھی انہیں (مردوں) میں سے ہوئے اور امامت کبریٰ (ملک کی سربراہی) اور امامت صغریٰ (نماز کی امامت) بھی انہیں کے سپرد کی گئی۔ علاوہ ازیں جہاد، اذان، خطبہ، مسجد میں اعتکاف، حدود و قصاص میں گواہی جیسی ذمہ داریاں ان کے سپرد کی گئیں۔ علاوہ ازیں میراث میں ان کا زیادہ حصہ رکھا گیا۔ اسی طرح نکاح کی ولایت، طلاق، طلاق سے رجوع اور چار شادیوں کا اختیار بھی انہیں دیا گیا ہے۔ اولاد کا سلسلہ نسب بھی انہیں کی طرف منسوب ہوتا ہے"۔ (۵)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آیت مذکورہ کی رو سے عورتوں پر مردوں کی برتری اور قوامیت کی دوسری اور کسبی وجہ یہ ہے کہ وہ ان کے تمام نان نفقہ اور ضروریات پوری کرنے کی ذمہ داری اٹھاتے ہیں۔ یہاں مولانا عبد الماجد دریا بادی کا ایک تفسیری نوٹ بھی قابل ملاحظہ ہے: وہ سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۲۸ کے ٹکڑا "وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ" (اور مردوں کو ان عورتوں پر ایک مرتبہ فضیلت حاصل ہے) کی تشریح وتفسیر میں اس معاملے میں شکوک وشبہات یا غلط فہمیوں کا ازالہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"تہذیب جاہلی، زمانے میں عجیب عجیب بے اصل اور تمام تر غلط دعوے کرتی رہتی ہے اور بعد کو ان دعوؤں کی عملی تردید بھی ہوتی رہی ہے۔ تہذیب جدید کے انہی بے بنیاد مفروضوں میں سے ایک دعویٰ یہ بھی ہے کہ مرد وعورت ہر حیثیت اور ہر اعتبار سے ہم درجہ ہیں۔ محض دعویٰ کتنی ہی کثرت سے دہرایا جائے، دعویٰ ہی رہے گا، دلیل نہ بن جائے گا۔ قرآن ابھی ابھی جاہلیت کے ایک مفروضہ کی تردید میں کہہ چکا ہے کہ عورت بے حقی نہیں ہے وہ بھی مردوں کی طرح اپنے حقوق رکھتی ہے۔ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ۔
اب وہ جاہلیت کے دوسرے دعویٰ کی تردید میں بے دھڑک اعلان کر رہا ہے کہ دونوں جنسوں میں مساوات مطلق ومساوات کامل نہیں بلکہ مرد کو عورت پر ترجیح وفضیلت حاصل ہے۔ "درجۃ" قرآنی لفظ درجۃ خوب خیال میں رہے۔ مرد عورت کا مالک نہیں۔ عورت اس کی کنیز یا باندی نہیں، بلحاظ حقوق دونوں ایک سطح پر ہیں پھر بھی مرد کو عورت پر ایک گونہ فضیلت وترجیح حاصل ہے۔۔۔۔ جدید علوم وطبیعیات کے ماہرین جنھوں نے مرد وزن کی جسمانی ساخت وترکیب، دماغی وذہنی قوی اور طبعی خصوصیات کے مطالعہ وتحقیق میں عمریں بسر کر دی ہیں، ان کی بڑی جماعت آخر اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے لیے متمم ومکمل ہیں تاہم بلحاظ قوت وبلحاظ عقل مرد ہی کو فضیلت حاصل ہے اور عورت جن ملکوں میں مردوں کے برابر ثابت بھی ہوئی ہے تو وہاں اپنی نسوانیت کا خون کر کے"۔ (٦)

اس کے باوجود اسلامی تعلیمات کے مطابق مردوں کے قوام ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مرد عورتوں کے مالک اور عورتیں ان کی زرخرید لونڈیاں ہیں، ان کی کوئی معاشرتی حیثیت نہیں۔ ان کا کوئی اختیار نہیں، ان کا کوئی حق نہیں یا وہ مردوں کے مقابلے میں کوئی کمتر مخلوق ہیں۔ چنانچہ سید مودودی نے درجہ بالا آیت کے الفاظ "بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ" (اس وجہ سے کہ اللہ نے ان مرد وخواتین کے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے) کی تشریح وتفسیر میں اس شبہ کا ازالہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"یہاں فضیلت بمعنی شرف اور کرامت اور عزت نہیں ہے جیسا کہ ایک عام اردو خواں آدمی اس لفظ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا مطلب لے گا بلکہ یہاں یہ لفظ اس معنی میں ہے کہ ان میں سے ایک صنف (یعنی مرد) کو اللہ نے طبعاً بعض ایسی خصوصیات اور قوتیں عطا کی ہیں جو دوسری صنف (یعنی عورت) کو نہیں دیں یا اس سے کم دی ہیں۔ اس بناء پر خاندانی نظام میں مرد ہی قوام ہونے کی اہلیت رکھتا ہے اور عورت فطرتاً ایسی بنائی گئی ہے کہ اسے خاندانی زندگی میں مرد کی حفاظت وخبر گیری کے تحت رہنا چاہیے"۔(۷)

مذکورہ تفصیل کے مطابق مرد اور عورت کی جسمانی ساخت، صنفی میلانات، جبلی وفطری تقاضوں، جسمانی طبعی اور عملی قویٰ اور دماغی وفکری صلاحیتوں میں واضح اور کھلم کھلا فرق کے باوجود ہر اعتبار اور ہر جہت سے مرد وزن میں مساوات کا دعویٰ کرنا صرف عقل ہی نہیں بلکہ انسانی فطرت کے بھی خلاف ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ" (۸)

"اور تم اس چیز کی تمنا نہ کرو جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک دوسرے پر بڑائی دی ہے۔ مردوں کیلئے اس (نیک عمل) میں سے (ثواب کا) حصہ ہے جو انہوں نے کمایا اور عورتوں کے لیے اس میں سے جو انہوں نے کمایا"۔

اس آیت سے واضح ہوا کہ مرد اور عورت ایک دوسرے کی خصوصیات پر رشک کرنے یا ایک دوسرے کی نقل اتارنے اور ایک دوسرے جیسا بننے کی ناکام اور فضول کوشش کی بجائے اپنے اپنے حصہ کی نعمتوں پر اللہ کا شکر بجالائیں۔ اللہ نے کسی صنف کے ساتھ بھی ناانصافی فرمائی ہے نہ اسے نعمتوں سے بالکل محروم رکھا ہے۔ اگر مرد میں مادہ تخلیق کی صلاحیت رکھی گئی ہے تو عورت کو ذریعہ تخلیق بنا کر تعمیر نسل کا فریضہ بھی اسے ہی سونپا گیا ہے۔ اگر مرد طبعی طور پر حکمرانی و جہانبانی اور میدان کارزار میں کودنے کی صلاحیت رکھتا ہے تو مرد کا اس قابل بننا بھی عورت کا مرہون منت ہے۔ مرد کے اندر اگر مضبوطی، قوت، شجاعت، بہادری، دلیری اور عزیمت و استقامت کے اوصاف ہیں تو عورت کے اندر دلربائی، دلکشی، شیرینی، نرمی اور محبت کا جذبہ رکھ دیا گیا ہے۔ الغرض انسانی معاشرہ اپنی تعمیر وترقی کیلئے مرد اور عورت دونوں کے اوصاف کا یکساں محتاج ہے اور یہ دونوں انسانی زندگی کی گاڑی کے دو پہیے ہیں جن کے بغیر گاڑی چل نہیں سکتی۔ تاہم اسلام مغرب کے مرد وزن میں ہمہ جہتی مساوات کے نظریے کی سختی سے تردید اور جگہ جگہ مخالفت کرتا ہے۔ جس کی تفصیل یہاں ممکن نہیں۔

مرد اور عورت کے درمیان مساوات مطلق یعنی ہر اعتبار سے مساوات کی واضح نفی اور عورتوں پر مردوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے قوام ہونے کے مذکورہ قرآنی حکم کے باوجود اگر عورتوں کو گھر کا سربراہ بنایا گیا تو اس کا نتیجہ گھر میں انتشار، گھریلو سکون کی بربادی اور خاندانی نظام کی تباہی کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ کسی بھی ادارے کی باگ ڈور مکمل طور پر کسی عورت کے سپرد کردی جائے تو اس کا انجام کیا ہوتا ہے؟ اس کی نشاندہی بھی انسانیت کے سب سے بڑے خیر خواہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمادی ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت ابوبکرؓ سے مروی ایک روایت کے مطابق رسول مقبول ﷺ کو جب یہ اطلاع پہنچی کہ اہل فارس نے کسریٰ کی وفات کے بعد اس کی بیٹی (بوران بنت شیرویہ) کو ملک کا سربراہ بنادیا ہے تو آپ ﷺ نے اس حوالہ سے ایک عمومی ضابطہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأۃ" (۹)

"وہ قوم ہرگز کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوگی جنہوں نے اپنا معاملہ کسی عورت کے سپرد کردیا"۔

امام بخاری اس روایت کو الفاظ کے قدرے اختلاف کے ساتھ اپنی صحیح کی کتاب الفتن کے باب ۱۸ (بدون ترجمۃ الباب) (۱۰) میں بھی لائے ہیں جس سے ان کا مقصود شاید اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اگر عورت کو کسی ادارے خصوصاً حکومت کا سربراہ بنایا گیا تو اس سے کئی فتنے اور کئی خرابیاں جنم لے سکتی ہیں۔

(۲) عورت کی ملازمت کا مسئلہ

آج کے صنعتی، کاروبار میں مسابقت، ترقی یافتہ، ماڈرن اور مغربی تہذیب وافکار سے متاثر دور میں عائلی زندگی کے میدان میں جن مسائل نے جنم لیا ہے، ان میں ایک اہم مسئلہ عورتوں کی ملازمت کا ہے جس سے عائلی زندگی میں مزید کئی الجھنیں پیدا ہوگئی ہیں۔ ذیل میں اس گھمبیر مسئلہ کا جائزہ اور حل تعلیمات نبوی علی صاحبھا السلام اور سیرۃ النبی ﷺ کی روشنی میں تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس سلسلے میں پہلے چند چیزوں کی وضاحت ضروری ہے۔ ان میں سب سے پہلی اور اصولی بات یہ ہے کہ اسلام مساوات کا نہیں بلکہ عدل وانصاف کا قائل ہے اور عدل وانصاف کا تقاضا ہے کہ کسی بھی آدمی پر اس کی استطاعت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے۔ قرآن مجید میں اس اصول کی یوں وضاحت کی گئی ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (۱۱)

اللہ تعالیٰ ہر نفس کو اس کی طاقت کے مطابق ہی مکلف ٹھہراتا ہے۔

اسی طرح عدل وانصاف کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ جس آدمی کے اندر جس قسم کی صلاحیت پائی جاتی ہو اسے ذمہ داری بھی اس صلاحیت کی مناسبت سے دی جائے۔ اس عمومی اصول کی روشنی میں جب ہم مرد اور عورت کے اندر پائی جانے والی صلاحیتوں کا جائزہ لیتے ہیں تو دونوں کی صلاحیتوں میں خالق کائنات نے اپنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تکوینی مصلحتوں کے تحت واضح فرق رکھا ہے۔ اس سلسلے کی سب سے اہم اور واضح حقیقت مرد و زن کی جسمانی تفریق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے افزائش نسل کے لیے مرد کو باپ اور عورت کو ماں بنایا ہے۔ ماں بچوں کو اپنی کوکھ سے پیدا کرتی ہے۔ باپ ایسا نہیں کر سکتا۔ ان مختلف ذمہ داریوں کو نبھانے کے لیے نہ صرف دونوں کی ساخت مختلف رکھی گئی ہے بلکہ دونوں کے کئی کیمیائی مادے بھی جدا ہیں جن کی تفصیل کا یہ مقام متحمل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے بحیثیت انسان برابر ہونے کے باوجود مرد و زن کی حیثیت سے دونوں الگ الگ ہیں۔ اسی طرح بعض صلاحیتیں طبعی طور پر مردوں میں زیادہ پائی جاتی ہیں مثلاً جسمانی قوت و مشقت، دوڑ دھوپ کا جذبہ، شجاعت و بہادری، جرأت و بے باکی، قوت فیصلہ، اقدامی صلاحیت اور مدافعت کی طاقت وغیرہ جب کہ عورتیں جسمانی طور پر کمزور اور نرم و نازک مزاج کی حامل ہوتی ہیں۔ زیادہ مشقت طلب کام نہیں کر سکتیں، نازک مزاج ہوتی ہیں ان میں قوت فیصلہ اور حوصلہ و برداشت کا مادہ بھی کم ہوتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

مرد اور عورت کی صلاحیتوں میں درجہ بالا قدرتی فرق کے باعث اسلام نے عائلی زندگی میں دونوں کے دائرہ کار متعین کر دیے ہیں۔ گھر کے اندر کام کاج، بچوں کی تعلیم و تربیت، گھر کا نظم و نسق، گھریلو امور کی نگرانی اور گھر میں تمام اہل خانہ بالخصوص شوہر کیلئے پیار و محبت اور ذہنی و جسمانی سکون کا سامان بہم پہنچانا عورت کے ذمہ کیا گیا ہے جب کہ گھر سے باہر کے کام، کسب معاش، سیاسی، سماجی، سفارتی اور عدالتی سرگرمیاں، فوجی خدمات، بین الاقوامی تعلقات اور کاروباری معاملات وغیرہ مرد کے ذمہ کیے گئے ہیں۔ دونوں اپنی اپنی ساخت اور فطرت کے مطابق کچھ کاموں کی جانب فطری میلان رکھتے ہیں اور بعض دوسرے کام ان کے لیے دشوار اور مشقت کا باعث بن جاتے ہیں۔ چنانچہ خواتین کے مذکورہ دائرہ عمل کی وضاحت کیلئے اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہراتؓ سے ارشاد فرمایا:

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (۱۲)

''اور تم اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور پہلی (پرانی) جاہلیت کی بے پردگی کی طرح (بلاضرورت) بے پردہ ہو کر نہ نکلو نیز نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرتی رہو''۔

درجہ بالا آیت کے پہلے ٹکڑے ''وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ'' کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے:

''وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ: ای الزمن بیوتکن فلا تخرجن لغیر حاجة'' (۱۳)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو یعنی اپنے گھروں کو لازم پکڑے رکھو پس بغیر کسی حاجت کے گھروں سے باہر نہ نکلو''۔

اسی طرح قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے آیت کے مذکورہ ٹکڑا کی مراد بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"امر بالقرار فی البیوت وعدم الخروج بقصد المعصیة۔۔۔ ولیس فی الآیة نهی عن الخروج من البیت مطلقا" (۱۴)

''اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو گھروں میں ٹکے رہنے اور نافرمانی کے ارادے سے گھر سے نہ نکلنے کا حکم دیا ہے۔۔۔ آیت میں گھر سے مطلق نکلنے سے روکنے کا مفہوم نہیں پایا جاتا''۔

سیاق وسباق کے اعتبار سے گھروں میں ٹھہرے رہنے کا یہ حکم اگرچہ ازواج النبی ﷺ کو دیا گیا ہے تاہم معناً اس میں دوسری تمام مسلمان عورتیں بھی داخل ہیں۔ چنانچہ علامہ قرطبی نے اس آیت کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

" معنی هذه الآیة الا بلزوم البیت، وان کان الخطاب لنساء النبی ﷺ فقد دخل غیرهن فیه بالمعنی هذا لو لم یرد دلیل یخص جمیع النساء کیف والشریعة طافحة بلزوم النساء بیوتهن والانکفاف عن الخروج منها الا لضرورة" (۱۵)

''اس آیت میں گھر کو لازم پکڑنے کا حکم ہے۔ یہاں خطاب اگرچہ نبی اکرم ﷺ کی بیبیوں سے ہے تاہم اس حکم میں معناً دوسری عورتیں بھی داخل ہیں۔ یہ اس لیے کہ اگر یہاں کوئی ایسی دلیل نہ بھی ہو جس سے مذکورہ حکم کو تمام عورتوں کے ساتھ خاص کیا جائے تو بھی شریعت ایسے احکام و ہدایات سے بھری پڑی ہے جو عورتوں کو اپنے گھروں میں ٹھہرے رہنے اور بلاضرورت گھروں سے نکلنے سے باز رہنے کو لازم ٹھہراتے ہیں''۔

اسی طرح مشہور اردو مفسر مولانا امین احسن اصلاحی نے درجہ بالا آیت کی وضاحت میں لکھا ہے:

''مذکورہ بالا آیت میں اگرچہ مخاطب نبی ﷺ کی ازواج ہیں لیکن یہ ہدایت ان کو مخاطب کر کے اس لیے نہیں دی گئی ہے کہ یہ انہی کے ساتھ مخصوص ہے بلکہ اس لیے ان کو مخاطب کیا گیا ہے کہ وہ تمام امت کی عورتوں کے لیے نمونہ ہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ بعینہٖ یہی ہدایات جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا، عام عورتوں کے لیے بھی قرآن مجید میں نازل ہوئی ہیں''۔ (۱۶)

بہرکیف اس آیت اور اس کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ مسلمان عورت کا دائرہ کار اور اصلی میدان عمل اس کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گھر ہے نہ کہ باہر۔ اس لیے بغیر کسی واقعی ضرورت اور شرعی حاجت کے محض سیر و تفریح، کرکٹ بینی، پکنک یا تقریبات میں شرکت کیلئے گھر سے نکلنا اور دور جاہلیت کی طرح بن ٹھن کر اپنے نسوانی حسن و جمال کی نمائش کرنا شریعت میں جائز نہیں۔ علاوہ ازیں بعض ہدایات نبوی سے بھی مترشح ہوتا ہے کہ عورت کا اصل دائرہ کار اس کا گھر ہی ہے چنانچہ ایک حدیث میں جسے متعدد محدثین نے نقل کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مختلف طبقات زندگی کو اپنی اپنی جگہ پر اپنے زیر اثر لوگوں یا اپنی رعایا کا نگران اور ذمہ دار ٹھہراتے ہوئے صحیح بخاری کے الفاظ میں فرمایا:

" والمرأة راعية على بيت زوجها وولده فكلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته" (۱۷)

''اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کی اولاد کی نگران ہے۔ پس تم میں سے ہر ایک اپنی جگہ نگران اور ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے (قیامت کے دن) پوچھا جائے گا''۔

اس طرح نبی اکرم ﷺ نے اپنی بیٹی سیدہ فاطمہؓ اور داماد حضرت علی المرتضیٰؓ کے خانگی معاملات کو خوش اسلوبی اور ہم آہنگی سے چلانے ان میں خود ہی تقسیم کار فرمائی تھی۔ اس تقسیم کار کا تعین کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا:

''فاطمہ گھر کا کام کاج اور علی گھر سے باہر کے کام اور انجام دیں گے''۔ (۱۸)

عورت کے اسی دائرہ کار اور گھر سے بلا ضرورت نکلنے میں متعدد خرابیوں (۱۹) کے پیش نظر اسلام نے ان سے وہ شرعی فرائض و واجبات بھی اٹھا لیے ہیں جن کی ادائیگی کے لیے انہیں گھر سے نکلنا پڑتا ہے مثلاً مسجد میں باجماعت نماز پڑھنا، شرعی اعتبار سے مسلمان پر واجب ہے۔ (۲۰) اور بعض فقہاء کے نزدیک تو فرض کفایہ ہے (۲۱) اس کے باوجود یہ فرضیت یا کم از کم وجوب عورتوں سے اٹھا لیا گیا ہے چنانچہ مشہور فقیہ صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"صلوٰة المرأة فى بيتها افضل من صلوٰتها فى حجرتها و صلوٰتها فى مخدعها من صلوٰتها فى بيتها"۔ (۲۲)

''عورت کی نماز اپنے گھر میں افضل ہے اس کی اپنے صحن کی نماز سے اور اس کی اپنی کوٹھڑی کی نماز افضل ہے اس کے گھر میں نماز سے (کیونکہ اس میں تستر زیادہ ہے)''۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ایک روایت میں رسول مقبول ﷺ نے فرمایا:

"لا تمنعوا نساء کم المساجد وبیوتھن خیر لھن" (۲۳)

''اپنی عورتوں کو مسجدوں میں نماز کیلئے جانے سے نہ روکو تاہم ان کے گھر (ان کا گھروں میں نماز پڑھنا) ان کیلئے زیادہ بہتر ہے''۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی قسم کی روایات سے استنباط کرتے ہوئے علامہ حصکفی نے الدر المختار میں لکھا ہے:

"ویکرہ حضورھن الجماعۃ) ولو لجمعۃ وعید ووعظ (مطلقا) ولو عجوزا لیلا (علی المذھب) المفتی بہ لفساد الزمان" (۲۴)

زمانہ میں خرابی کے باعث مفتی بہ قول کے مطابق عورتوں کا جماعت یا عام مجمع میں حاضر (شامل) ہونا مطلقاً مکروہ ہے۔ اگرچہ نماز جمعہ اور نماز عید ہو یا وعظ و نصیحت کی مجلس ہو اور اگرچہ بوڑھی ہو یا رات کا وقت ہو۔

علاوہ ازیں بھی گھر سے باہر کی بہت سی اجتماعی نیکیاں ہیں جن میں عورتوں کو شمولیت سے اس لیے روک دیا گیا ہے کہ اجازت کی صورت میں ایک تو ان کے لیے شرعی پردہ کی پابندی مشکل ہو جائے گی۔ دوسرے ان کا اصل دائرہ عمل (امور خانہ داری) بھی متاثر ہوگا چنانچہ ایک صحابیہ حضرت اسماء بنت یزید نے جب ایک موقعہ پر خواتین کی نمائندہ بن کر بارگاہ نبوی میں یہ شکایت کی کہ مرد حضرات نماز جمعہ، جنازہ اور جہاد میں شرکت کر کے ہم عورتوں سے بازی لے گئے تو تو دین کے بارے میں اس عمدہ سوال کے جواب میں نبی کریم ﷺ نے مذکورہ خاتون سے فرمایا۔ جا کر تمام خواتین کو میری طرف سے یہ بات پہنچا دو کہ:

"ان حسن تبعل المرء ۃ لزوجھا وطلبھا مرضاتہ وابتاعھا موافقتہ یعدل ذالک"(۲۵)

''بیشک عورت کا اپنے خاوند کی اطاعت، اسکی رضا جوئی کی کوشش کرنا اور اسکی مرضی کی پیروی کرنا ان ساری نیکیوں کے برابر ہے جو تم نے مردوں کی بیان کی ہیں''۔

درج بالا معروضات سے یہ بات کافی حد تک واضح ہوگئی ہے کہ خواتین کا اصل دائرہ عمل امور خانہ داری کی انجام دہی ہے۔ ملازمت کرنا یا کسب معاشی کے ذریعے شوہر اور دیگر اہل خانہ کے اخراجات کا انتظام کرنا شرعی اور بنیادی طور پر اس کی ذمہ داری نہیں۔ مغرب کے سرمایہ دارانہ معاشرتی نظام میں خواتین کے ملازمت کے پس پردہ دو بڑے محرکات ہیں۔ ایک تو خود غرضی اور دوسرا لذت پرستی۔ اس حوالے سے عصر حاضر کے مشہور فقیہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کا درجہ بالا تجزیہ و تبصرہ قابل ملاحظہ ہے، فرماتے ہیں:

''یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ مغرب کے سرمایہ دارانہ معاشرتی نظام کی بنیاد خود غرضی اور لذت پرستی ہے اور یہی دونوں محرکات خواتین کو گھر سے باہر لانے کے پیچھے کارفرما ہیں۔ خود غرضی یہ ہے کہ مغربی معاشرہ میں عورتوں کا معاشی بوجھ مرد برداشت کرنا نہیں چاہتے، یہاں تک کہ جب لڑکی کی عمر اٹھارہ سال کی ہو جاتی ہے تو والدین خود سے تقاضا کرنے لگتے ہیں کہ وہ باہر نکلے، ملازمت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرے اور خود اپنا بوجھ اٹھائے، دوسرے مردوں کی ہوس نا کی طلب گار ہوتی ہے کہ ہر دفتر اور دوکان میں کوئی خوش رو عورت اس کا استقبال کرے۔ یہ وہ محرکات ہیں جس نے یورپ کے صنعتی انقلاب کے بعد بڑے پیمانے پر عورتوں کو گھر سے باہر نکلنے کا راستہ دکھایا۔ یہاں تک کہ اس معاشرہ کو حقیر سمجھا جانے لگا جس میں عورتیں ''شمع محفل'' بننے کی بجائے ''چراغ خانہ'' بن کر رہتی تھیں''۔ (۲۶)

تھوڑا سا غور کیا جائے تو یہ بات بڑی آسانی سے سمجھ آجاتی ہے کہ مغربی تہذیب نے عورت کا بڑا استحصال کیا ہے۔ اس تہذیب کے علم برداروں نے عورت کو گھر کے گوشہ عافیت سے نکال کر دفاتر، فیکٹریوں، کلبوں، تھیٹروں، دوکانوں، اداروں اور بازاروں میں دربدر ہونے کے لیے چھوڑ دیا اور اس پر دوہری ذمہ داری ڈال دی یعنی وہ معاش بھی حاصل کرے اور امور خانہ داری بھی سرانجام دے۔

اسلام کے نزدیک بیوی کے نان نفقہ کی تمام تر ذمہ داری خاوند پر ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔ (۲۷)

''اور جس کا بچہ/ اولاد ہے (شوہر) اس کے ذمہ ہے ان (ماؤں) کا کھانا اور لباس دستور/ عرف کے مطابق''۔

دوسری جگہ اس سلسلے میں ارشاد ربانی یوں ہے:

لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ (۲۸)

''وسعت والے کو خرچ اپنی وسعت کے مطابق کرنا چاہیے اور جس کی آمدنی کم ہو اسے چاہیے کہ اللہ نے اسے جتنا دیا ہے اس میں سے خرچ کرے''۔

اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کرتے ہوئے ان کے نان و نفقہ کی ذمہ داری مردوں پر ڈالی ہے چنانچہ فرمایا:

''فاتقوا اللہ فی النساء فانكم اخذتموهن بامان اللہ واستحللتم فروجهن بكلمة اللہ ولهن عليكم رزقهن وكسوتهن بالمعروف'' (۲۹)

''پس عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہنا کیونکہ تم نے انہیں اللہ کی امان کی بنیاد پر لے رکھا ہے اور ان کی شرم گاہوں کو اللہ کے حکم سے ہی حلال کیا ہے اور ان کے لیے تمہارے اوپر ان کا کھانا اور ان کا کپڑا دستور/ عرف کے مطابق لازم ہے''۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انہی نصوص سے استدلال کرتے ہوئے فقہاء نے کہا ہے کہ بیوی کا نفقہ خاوند پر واجب ہے۔ اس حوالے سے تمام فقہی مسالک کے فقہاء کے اقوال کی تفصیل طوالت کا باعث ہوگی۔ صرف ایک جامع قسم کی عبارت درج ذیل ہے:

"تجب علی الرجل نفقة امرأته المسلمة والذمية والفقيرة والغنية دخل لها او لم يدخل كبيرة كانت المرأة او صغيرة يجامع مثلها كذا في فتاوى قاضي خان" (۳۰)

مرد پر اپنی بیوی کا نان نفقہ واجب ہو۔ بیوی مسلمان ہو، ذمی ہو، فقیر ہو، غنی ہو، اس کے ساتھ ہم بستر ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، وہ بڑی عمر کی ہو یا چھوٹی عمر کی مگر اس عمر کی لڑکیوں سے خلوت کی جاتی ہو۔ فتاویٰ قاضی خان میں بیوی کے نفقہ کی اسی طرح تفصیل ہے۔

بیوی کا نفقہ خاوند پر کیوں واجب ہے اس کی عقلی دلیل بیان کرتے ہوئے صاحب ہدایہ ایک قاعدہ کلیہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ولان النفقة جزاء الاحتباس فكل من كان محبوسا بحق مقصود لغيره كانت نفقته عليه"(۳۱)

''نان نفقہ اصولی طور پر روک رکھنے کا بدلہ ہے۔ پس ہر وہ آدمی جو کسی دوسرے آدمی کے مقصود حق میں روکا گیا ہے تو اس کا نان نفقہ اس دوسرے آدمی پر لازم ہوگا''۔

اسلام کے نزدیک عورت پر اپنا نان نفقہ بغیر کسی واقعی ضرورت کے (جس کی وضاحت آگے آرہی ہے) واجب نہیں۔ جب تک اس کی شادی نہیں ہو جاتی، چاہے بالغ بھی ہو جائے، اس کا نان نفقہ اس کے والد کے ذمہ ہے۔ فتاویٰ ہندیہ/ عالمگیری میں ہے:

"ونفقة الاناث واجبة مطلقا على الآباء ما لم يتزوجن اذا لم يكن لهن مال" (۳۲)

''لڑکیوں/ بیٹیوں کا نان نفقہ جب تک ان کی شادی نہیں ہو جاتی مطلقاً آباء (Fathers) پر واجب ہے جب کہ ان لڑکیوں کی ذاتی ملکیت میں کوئی مال نہ ہو''۔

جب اُس کی شادی ہو جائے تو اس کا نفقہ اس کے شوہر کے ذمہ ہے جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے اور جب وہ ماں بن جائے اور مالی اعتبار سے تنگ دست ہو جائے تو اس کا نفقہ اس کی اولاد کے ذمہ ہے۔

چنانچہ فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

"ويجبر الولد الموسر على نفقة الابوين المعسرين مسلمين كانا او ذميين قدرا على الكسب او لم يقدرا" (۳۳)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مالدار بیٹے کو تنگدست ماں باپ کے نان نفقہ کیلئے قانونی طور پر مجبور کیا جائے گا۔ والدین مسلمان ہوں یا ذمی/ اہل کتاب ۔نیز وہ کمانے پر قدرت رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں (ہر صورت میں تنگدست والدین کا نفقہ مالدار اولاد پر ہوگا)

عصر حاضر کے معروف فاضل مصطفیٰ السباعی نے زیر بحث مسئلے میں لکھا ہے:

"فلسفة الاسلام ان البنت والمرأة بوجه عام لا يصح ان يكلف بالعمل لتنفق على نفسها بل على ابيها او زوجها او اخيهامثلاً ان يقوم بالاتفاق عليها لتفرغ لحياة الزوجية والامومة" (۳۴)

''اسلام کا فلسفہ یہ ہے کہ وہ عام حالات میں بیٹی اور عورت کو اس امر کا مکلّف نہیں ٹھہراتا کہ وہ محنت مزدوری کر کے اپنے اخراجات خود پورے کرے بلکہ اس کا نان نفقہ اس کے والد یا اس کے شوہر یا اس کے بھائی پر لازم ٹھہراتا ہے کہ وہ اس پر اخراجات کا انتظام کرے تاکہ وہ اپنی ازدواجی زندگی اور ماں ہونے کی ذمہ داری کے لیے فارغ رہ سکے''۔

آمد برسر مطلب شرعی اعتبار سے خواتین کا گھر سے نکلنا مطلقاً منع بھی نہیں ہے۔کسی شرعی ضرورت کے لیے گھر سے نکل سکتی ہیں جیسا کہ اوپر اشارہ کیا جاچکا ہے۔چنانچہ مذکورہ تفصیل کے مطابق باپ اپنی بیٹی کو، شوہر بیوی کو، اور اولاد ماں کو نان نفقہ دینے سے معذور ہو جائے یا نہ دے یا مالی معاملات میں ہاتھ بٹائے بغیر گھر کی ضروریات پوری نہ ہوتی ہوں تو اب عورت کیلئے ملازمت یا کسب معاش کے لیے گھر سے باہر نکلنا ''ایک ضرورت'' ہوگی ۔جس کا جواز شریعت میں موجود ہے۔ چنانچہ سورۃ القصص میں اللہ کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام کی دو صاحبزادیوں کا گھر سے باہر نکل کر ایک کنویں پر بکریوں کو پانی پلانے کا ذکر موجود ہے جہاں ان پاکباز اور حددرجہ باحیاء صاحبزادیوں نے حیاء کے پتلے نوجوان (حضرت موسیٰ علیہ السلام) سے اس مشقت اٹھانے کا شرعی عذر بھی بتایا کہ:

''وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ'' (۳۵)

اور ہمارے ابا جان بہت ضعیف اور عمر رسیدہ ہیں۔

اسی طرح حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں بعض خواتین گھر سے باہر نکل کر زراعت کے کاموں میں اپنے خاوندوں کا ہاتھ بٹایا کرتی تھیں۔بعض کسب معاش کے لیے دستکاری وغیرہ کا کام کر کے اپنے اہل خانہ کی مالی امداد کرتی تھیں۔مثلاً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(الف) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت اور چشم دید گواہی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک انصاری صحابیہ ام مبشر کے ہاں تشریف لے گئے جب کہ وہ اپنے کھجور کے باغ میں موجود تھیں۔اس موقعہ پر آپ نے فرمایا کہ کوئی مسلمان جو درخت لگاتا ہے یا کھیتی بوتا ہے پھر اس درخت یا فصل میں سے کوئی انسان یا چوپایہ کوئی چیز کھالے تو یہ اس کے لیے صدقہ ہوگا''۔(۳۶)

(ب) انہی حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ:

میری خالہ صاحبہ کو طلاق واقع ہوگئی تو انہوں نے ارادہ کیا کہ اپنے کھجور کے باغ میں جا کر محنت کیا کریں (اور یوں اپنا گزارا کریں) تو ایک شخص نے انہیں گھر سے نکلنے پر ڈانٹا تو وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں (اور صورت حال عرض کی) اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''بلٰی'' کیوں نہیں (یعنی ضرور محنت کرو) ہوسکتا ہے کہ (اس آمدنی سے) تم صدقہ کرو یا کوئی دوسرا خیر کا کام کرو۔(۳۷)

(ج) حضرت کعب بن مالکؓ کی ایک باندی سلع نامی پہاڑ پر بکریاں چرایا کرتی تھی تو ان میں سے ایک بکری کسی درندے کا شکار بن گئی تاہم اُس باندی نے اسے زندہ حالت میں پالیا اور ایک پتھر کے ذریعے اسے (شرعی طریقہ سے) ذبح کر لیا۔ یہ مسئلہ (عورت کا ذبیحہ حلال ہونا) نبی اکرم ﷺ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ''کُلُوْھَا'' بے دھڑک اسے کھاؤ''۔(۳۸)

(د) حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی اور حواری رسول ﷺ تھے۔مگر مالی اعتبار سے اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ باہر کے سارے کاموں کو سرانجام دینے کے لیے کوئی خادم ہی رکھ لیں تو گھر اور باہر کی ضروریات کے سب کام (جانوروں کے لیے چارہ اور کھجور کی گٹھلیاں لانا وغیرہ) ان کی زوجہ محترمہ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ خود ہی انجام دیتی تھیں۔(۳۹)

اسی طرح عورت کیلئے بعض اوقات کسب معاش یا ملازمت مجبوری بن جاتی ہے مثلاً ایک ایسی مطلقہ یا بیوہ عورت جس کی اولاد نہ ہو یا ہو مگر کسب معاش کے قابل نہ ہو یا ایسی عورت جس کا شوہر معذور ہو جائے اور کمانے کے قابل نہ رہے یا بے روزگار ہو جائے تو ایسی صورت میں شوہر پر نفقہ شرعاً واجب نہیں رہتا اور ملازمت یا کسب معاش عورت کی ضرورت بن جاتی ہے۔

بعض اوقات خواتین کو خود تو ملازمت کی ضرورت نہیں ہوتی مگر معاشرے اور حکومت کو ان کی ضرورت ہوتی ہے۔مثلاً وہ ڈاکٹر ہے اور میڈیکل کے شعبے میں اس کی خدمت کی ضرورت ہے کیونکہ خواتین بعض اوقات ایسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیماریوں سے بھی دوچار ہو جاتی ہیں جن میں ستر کھولنے کی ضرورت ہوتی ہے۔اسی طرح بچیوں کی تعلیم کے شعبہ میں اس کی خدمت کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔ایسی تمام صورتوں میں اس کے لیے ایسی ملازمت کا جواز ہوگا جو خواتین سے مناسبت رکھتی ہو نہ کہ ایسی ملازمت جس میں عورت کی قابلیت یا صلاحیت سے زیادہ اسکی خوبصورتی کو مقدم سمجھا جائے اور غیر محرم مردوں سے واسطہ پڑے مثلاً ائر ہوسٹس، سیلز گرل، پی۔اے، ریسپشنسٹ (Recepionest) وغیرہ تاہم اس کے لیے قرآن وسنت کی روشنی میں (جس کی تفصیل مستقل کتاب کی متقاضی ہے) درج ذیل شرائط کی پابندی شرعاً واجب ہوگی۔تاہم اس کے لیے قرآن وسنت کی روشنی میں جس کی تفصیل یہاں ممکن نہیں، درج ذیل شرائط کی پابندی شرعاً واجب ہوگی۔

۱۔ ملازمت سے اس کے اصلی اور خانگی فرائض میں خلل اور کوتاہی واقع نہ ہو جو شریعت نے اس کے لیے بطور خاص متعین کیے ہیں مثلاً گھریلو امور کی دیکھ بھال، بچوں کی تربیت و پرورش اور شوہر کے حقوق کی ادائیگی وغیرہ۔

۲۔ عورت کی ملازمت کے لیے اس کے شوہر یا ولی کی اجازت بھی شرعاً ضروری ہے۔

۳۔ غیر محرم مردوں کے ساتھ اس کا اختلاط نہ ہو اور نہ کسی اجنبی مرد کے ساتھ تخلیہ کی نوبت آئے۔کیونکہ دونوں کا آزادانہ اختلاط و ملاپ متعدد معاشرتی و اخلاقی خرابیوں کی بنیاد ہے۔جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔

حضور اکرم ﷺ نے تو راستہ میں بھی عورتوں کو مردوں کے ساتھ چلنے سے منع فرما دیا ہے۔اس ممانعت کے بعد صحابیات کے احتیاط کا یہ عالم تھا کہ وہ راستے کی بالکل دیوار کے ساتھ لگ جاتیں حتی کہ ان کی چادریں بھی دیوار سے لگ جاتیں۔ (۴۰)

اسی طرح عہد نبوی میں خواتین نماز میں شرکت کے لیے جاتی تھیں تھی لیکن ان کا داخلہ اور اجتماع مسجد جیسی پاکیزہ جگہ میں بھی مردوں سے الگ ہوتا تھا۔(۴۱) چہ جائیکہ دفاتر میں اختلاط کی نوبت آئے۔

اس لیے خواتین کے لیے گرلز سکول و کالجز یا خواتین کے لیے مختص اداروں میں ہی ملازمت بہتر ہے۔

۴۔ ملازمت کے سلسلے میں جب گھر سے نکلیں تو شرعی پردے کی پوری طرح پابندی کریں، چہرہ، ہاتھوں اور پاؤں کا پردہ بھی فتنہ کے اندیشہ کے پیش نظر فقہاء نے لازم ٹھہرایا ہے۔کسی ضرورت کے وقت ہی کھولنے کی اجازت ہے۔لباس باریک یا چست ہونے کی بجائے موٹا اور ڈھیلا ڈھالا ہو۔خوشبو لگا کر نہ نکلیں، ڈیوٹی کے دوران عموماً غیر محرم مردوں سے بات چیت کی نوبت آتی ہے۔اس بات چیت میں کرخت لہجہ اختیار کریں۔ (۴۲)

۵۔ سر کا کھلا رکھنا حرام ہے۔کسی بھی ضرورت یا ملازمت کا تعلق سر کھلا رکھنے سے نہیں۔سر کے بال ستر عورت میں داخل ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۶۔ ہر وہ شکل یا ہیئت، لباس، میک اپ وغیرہ جس سے لوگ فتنہ میں پڑھیں، شرعاً حرام ہے۔

۷۔ مردانہ لباس اور شکل و شباہت اختیار کرنا بھی شرعاً ناجائز ہے۔

۸۔ ایسا کام نہ ہو جو عورت کے لیے شرعاً حرام یا ناجائز ہو جیسے شراب یا منشیات وغیرہ کی فیکٹری میں کام کرنا۔ لاٹری اور سٹے سے متعلقہ کام، ناچ گانے اور جسم کی نمائش یا فروخت سے متعلقہ کام، فحاشی و عریانی اور تشہیر سے متعلقہ کام وغیرہ۔

جہیز کا مسئلہ

آج کل عائلی زندگی کے حوالے سے مسلمان معاشروں خصوصاً وطن عزیز میں بچوں کی شادی کے سلسلے میں جہاں متعدد فضول یا لغو اور بے فائدہ بلکہ بے ہودہ قسم کی رسموں پر اٹھنے والے اخراجات نے متوسط بالخصوص غریب طبقہ کے والدین کو پریشان کر رکھا ہے وہاں جہیز کے مسئلہ یا جہیز کی ہندوانہ رسم نے بھی بڑی سنگین صورت حال اختیار کر لی ہے، اس مسئلہ کے پیدا ہو جانے کے باعث نہ صرف یہ کہ بہت سی معاشرتی و معاشی اور اخلاقی خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں بلکہ اس نے شرعی اعتبار سے انتہائی آسان چیز نکاح یا شادی جو صرف دو گواہوں کی موجودگی میں میاں بیوی کے ایجاب و قبول سے ہو سکتی ہے، اسے انتہائی مشکل بلکہ سوہان روح بنا دیا ہے۔ جس کی وجہ سے بہت سی غریب لڑکیوں کی شادی نہیں ہو پاتی یا ان کے لیے معقول رشتے نہیں مل پاتے۔ چنانچہ روزنامہ نوائے وقت لاہور جیسے مصدقہ و مستند روزنامہ کی چند سال قبل کی ایک رپورٹ ملاحظہ ہو:

> ''پاکستان میں جہیز کی لعنت کے باعث ایک کروڑ ساٹھ لاکھ لڑکیاں شادی کی راہ دیکھ رہی ہیں۔ ان لڑکیوں میں سے 60 لاکھ ایسی ہیں جن کی شادی کی عمر گزر چکی ہے۔ اس بات کا انکشاف ایک سماجی تنظیم نے حکومت کو اپنی روانہ کردہ رپورٹ میں کیا ہے۔ اس ضمن میں سماجی تنظیموں نے اپنی رپورٹ میں مزید لکھا ہے کہ غربت کی بنیاد پر ہر چوتھے گھر میں پانچ لڑکیاں غیر شادی شدہ بیٹھی ہیں جب کہ ہر دسویں گھر میں لڑکیوں کی تعداد دس ہے''۔ (۴۳)

اسی طرح کا ایک اور افسوسناک انکشاف ملاحظہ ہو:

> ''پنجاب بھر میں چار لاکھ کنواری لڑکیاں شادی کے خواب آنکھوں میں لیے بڑھاپے کی دہلیز پر پہنچ چکی ہیں۔ لیکن معاشرتی مسائل ان کی شادیوں میں ناقابل عبور رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ ایک تحقیقاتی رپورٹ کے مطابق جنوبی پنجاب کے علاقہ ڈیرہ غازیخان، جام پور، راجن پور، بہاولپور سمیت متعدد جگہوں پر نوجوان لڑکیوں کی شادی قرآن شریف سے کروا دی جاتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ لڑکیاں تمام عمر کنواری رہتی ہیں۔ اکثر لڑکیاں اپنی برادری میں رشتہ نہ ملنے کی وجہ سے بڑھاپے کی دہلیز بھی پار کر چکی ہیں"۔ (۴۴)

اس الم ناک صورت حال میں ہم نے ذیل میں اس مسئلہ کا جائزہ حل تعلیمات نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام اور اسوۂ رسول ﷺ کی روشنی میں تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔

مروجہ جہیز کوئی شرعی حکم نہیں:

اسلام ایک مکمل دین ہے جس نے انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں رہنمائی فرمائی ہے۔ قرآن و حدیث نے اساسی اور رہنما اصول بیان فرما دیئے ہیں۔ پھر نبی اکرم ﷺ اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا طرز عمل ہمارے سامنے ہے۔ بعد میں ہمارے ائمہ مجتہدین اور فقہاء عظام نے کوئی ایسا مسئلہ نہیں چھوڑا جس کی قرآن وسنت کی روشنی میں تفصیلات نہ بتا دی ہوں۔ حتی کہ متوقع اور تقدیری مسائل کے بھی حل بتا دیئے ہیں۔ مسائل اور ضروریات انسانی میں نکاح اور شادی انسان کی طبعی، فطری اور بنیادی ضرورت ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ اسلام، جو ایک فطری دین ہے، اس سلسلے میں اپنے ماننے والوں کی رہنمائی نہ فرمائے۔ انسانی نسل اور زندگی کو قائم رکھنے کے لئے نکاح چونکہ ایک لابدی چیز ہے اس لئے شریعتِ اسلامیہ نے اسے کما حقہ اہمیت دی ہے۔ نکاح اور ازدواجی زندگی کا کوئی ایسا لازمی اور ضروری پہلو نظر نہیں آتا جس میں شریعت نے واضح ہدایات نہ دی ہوں۔ نکاح اور نکاح سے متعلق تمام احکامات قرآن و حدیث میں بڑی تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔ دورِ جاہلیت میں چونکہ عورتوں کی عام حیثیت انسان سے گر کر ڈھور ڈنگر کی بن چکی تھی اس لئے قرآن اور صاحب قرآن علیہ التحیہ والسلام نے ازدواجی زندگی میں عورتوں کے حقوق اور بہترین معاشرت پر انتہائی زور دیا۔ رحمتِ عالم ﷺ نے اپنے طرز عمل سے عورتوں کے جملہ حقوق کا تعین فرمایا اور کوئی گوشہ باقی نہ چھوڑا۔ اس کے باوجود لیکن متاخرین فقہاء کی چند کتابوں میں جہیز کے سلسلے میں کچھ جزوی احکامات ملتے ہیں ورنہ قرآن مجید، کتب احادیث میں، فقہاء متقدمین کی کتابوں میں کہیں مروجہ جہیز کا وجود نہیں ملتا۔ صحاح ستہ اور ائمہ اربعہ کی امہات الکتب میں کہیں "باب الجہیز" کے عنوان سے کوئی باب نہیں۔ اگر یہ کوئی شرعی حکم ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ جہاں نکاح سے متعلق دیگر احکامات مثلاً نان نفقہ، مہر، حسن معاشرت، طلاق اور عدت وغیرہ تفصیلاً بیان ہوئے وہاں "جہیز" کا بیان نہ ہوتا۔

سنن نسائی جلد دوم، باب جهاز البنت کے ماتحت آنے والی حدیث سے "مروجہ جہیز" کو شرعی حکم سمجھنا غلط ہے۔ (اس کا بیان ان شاء اللہ آگے آئے گا) مروجہ جہیز محض ایک رسم بلکہ ہندوانہ رسم اور عرف ہے اور فقہاء نے اسے رسم اور عرف کے زمرے میں ہی شمار کیا ہے۔ السید سابق لکھتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"وقد جرى العرف على ان تقوم الزوجة واهلها باعداد الجهاز وتاثيث البيت وهو اسلوب من اساليب ادخال السرور على الزوجة بمناسبة زفافها"

''یہ ایک عرف ہے کہ بیوی اور اس کے گھر والے جہیز اور گھر کا ساز وسامان تیار کرتے ہیں اور دوسرے یہ کہ عورت کے نئے گھر میں جانے کی مناسبت سے اس عورت کو خوش کرنے کا ایک طریقہ ہے''۔

السید سابق ایک روایت سے استدلال کرنے کے بعد پھر لکھتے ہیں:

"وهذا مجرد عرف جرى عليه الناس" (۴۵)

یہ صرف ایک عرف (رسم) ہے جو لوگوں کے اندر جاری ہے۔

جس طرح دیگر کئی ایک رسوم اور اعراف کو جن میں کوئی شرعی قباحت یا ممانعت نہ تھی قبول کر لیا گیا تھا، اسی طرح اس عرف (رسم) کو بھی ابتداء اپنا لیا گیا لیکن اب جب کہ یہ ایک بڑا فتنہ اور فساد عظیم بن گیا ہے۔ اسے ''عرف صحیح'' بھی نہیں کہا جا سکتا۔

جہیز دینا خاوند کی ذمہ داری ہے:

جہیز کا مطلب ہے گھریلو ساز وسامان اور استعمال کی چیزیں (۴۶) اور گھر میں استعمال ہونے والے تمام ساز وسامان نیز بیوی کی جملہ جائز ضروریات اور اخراجات کا ذمہ دار شرعاً خاوند ہے۔ اس سلسلے میں قرآن و سنت کی نصوص سے استنباط کرتے ہوئے فقہاء نے کہا ہے:

النفقة واجبة للزوجة على زوجها مسلمة كانت او كافرة اذا سلمت نفسها الى منزله فعليه نفقتها وكسوتها وسكناها والاصل في ذالك قوله تعالىٰ "لِيُنفِقْ ذُوسَعَةٍ مِّن سَعَتِهٖ" (۴۷)

''بیوی مسلمان ہو یا کتابیہ، اس کا ہر قسم کا خرچہ خاوند پر واجب ہے جب کہ وہ (بیوی) اپنے آپ کو خاوند کے سپرد کر دے اور اس کے گھر منتقل ہو جائے۔ اس خرچہ میں اس کی خوراک، لباس اور رہائش کیلئے مکان داخل ہے اور اس حکم کی بنیاد باری تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ وسعت والے کو اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرنا چاہیے''۔

بیوی ہوتے ہوئے سکنیٰ (رہائش کے لئے مکان) کا دینا تو واجب ہے ہی بعد از طلاق بھی دورانِ عدت بیوی کے لئے سکنی مہیا کرنا لازمی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُّجْدِكُمْ'' (۴۸)

''ان (مطلقات) کو اپنی حیثیت کے موافق رہنے کا مکان دو جہاں تم رہتے ہو''۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ظاہر ہے جب رہنے کا مکان خاوند کے ذمہ ہے تو ایک مکان میں رہنے کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہوسکتی ہے اور اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے اور سونے کے لئے جن اشیاء کا استعمال میں لانا ضروری ہے اور جن کو ہماری اصطلاح میں ''جہیز'' کہا جاتا ہے، وہ بھی خاوند ہی کے ذمہ واجب ہوں گی۔ الاحوال الشخصیہ میں عصر حاضر کے مشہور فقیہ محمد ابوزہرہ ''متاع البیت'' کے عنوان سے فقہاء حنفیہ کی رائے بتاتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''رأى الحنفية، وهو ان اعداد البيت على الزوج لان النفقة بكل انواعها من مطعم وملبس ومسكن عليه واعدادا لبيت من المسكن فكان يقتضى هذا الاعداد على الزوج اذ النفقة بكل انواعها تجب عليه والمهرليس عوض الجهاز لانه عطا ونحلة كما سماه القرآن فهو ملك خالص لها وهو حقها على الزوج بمقتضى احكام الزواج وليس ثمه من مصادر الشريعة ما يجعل المتاع حقا على المرء ة ولا يثبت حق من حقوق الزواج من غير دليل'' (۴۹)

''حنفی فقہاء کی رائے یہ ہے کہ گھر (اور گھریلو سامان) کی تیاری خاوند کے ذمہ ہے، کیونکہ ہر قسم کا نفقہ یعنی خرچہ مثلاً کھانا، لباس اور رہائش کی جگہ دینا اس پر واجب ہے اور گھریلو ساز و سامان (جسے عرف عام میں جہیز کا نام دیا جاتا ہے) رہائش کے مکان میں شامل سمجھا جاتا ہے۔ پس اس اعتبار سے گھریلو ساز و سامان کی تیاری خاوند پر واجب ہوئی۔ حق مہر جہیز کا عوض نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ صرف عطیہ ہے جیسا کہ قرآن مجید نے اس کا نام نحلہ (عطیہ) رکھا۔ وہ خالصتاً بیوی کی ملک ہے اور خاوند پر اس کا حق ہے۔ مصادر شریعت میں سے کوئی ایسی دلیل نہیں جس کی بنیاد پر گھریلو ساز و سامان کی تیاری کو عورت کا حق قرار دیا جاسکے اور بغیر کسی دلیل کے کبھی کوئی حق ثابت نہیں ہوتا''۔

مالکی فقہاء کے نزدیک اگرچہ جہیز کے سامان کی تیاری عورت کے ذمہ ہے مگر اسی کے ساتھ یہ وضاحت بھی ہے کہ وہ یہ سامان مہر کی پیشگی رقم (مہر معجّل) سے بنائے گی نہ کہ اپنے ذاتی مال یا والدین کے مال سے۔ اگر شوہر کی طرف سے حق مہر میں سے پیشگی کوئی رقم رخصتی سے قبل اس کے پاس نہ بھیجی جائے تو اس پر سامانِ جہیز لازم نہیں ہے۔

''فان لم تكن قد قبضت شيئا من المهر فليس عليها جهاز'' (۵۰)

اگر اس عورت نے پیشگی مہر میں سے کوئی چیز نہ لی ہو تو اس پر جہیز واجب نہیں۔

فقہ مالکی کی ایک دوسری معروف کتاب میں یہ مسئلہ کچھ یوں درج ہے:

''فان لم تقبض شيئا قبل البناء لم يلزمها تجهيز'' (۵۱)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگر بیوی نے رخصتی سے قبل کوئی چیز نہ لی ہو تو اس پر سامانِ جہیز لازم نہیں۔

سید سابق نے مسئلہ جہیز کو مزید وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"واما المسئول عن اعداد البيت اعدادا شرعيا، وتجهيز كل ما يحتاج له من الاثاث والفرش والادوات فهو الزوج، والزوجة لا تسأل عن شيء من ذالك حتى ولو كانت زيادة المهر من اجل الاثاث، لان المهر انما تستحقه الزوجة فى مقابل الاستمتاع بها، لامن اجل اعداد الجهاز لبيت الزوجية، فالمهر حق خالص لها ليس لابيها ولا لزوجها ولا لاحد حق فيه" (۵۲)

''شرعی طور پر گھر کیلئے ہر اس چیز کا مہیا کرنا جس کی احتیاج ہوتی ہے مثلاً سامان، بسترے اور برتن وغیرہ کا مسئول (ذمہ دار) خاوند ہے۔ ان اشیائے ضرورت میں سے کسی بھی شے کے متعلق عورت سے سوال نہیں کیا جائے گا۔ حتی کہ اگر مہر کی رقم سامانِ بیت کی نیت سے زیادہ رکھی جائے تو بھی عورت پر سامان لازم نہیں کیونکہ مہر کی رقم اس عورت سے فائدہ اٹھائے جانے کے مقابلے میں ہے نہ کہ سامانِ جہیز کی تیاری کے لئے۔ مہر صرف اور صرف اسی کا حق ہے جس میں نہ اس کے والد، نہ اس کے خاوند اور نہ ہی کسی اور شخص کا حق ہے''۔

شادی کے موقع پر جہیز خاوند پر لازم نہیں:

گزشتہ تفصیل سے یہ بات تو ثابت ہوگئی کہ سامانِ جہیز شرعاً خاوند کے ذمہ واجب ہے، جب بیوی اس کے گھر جائے گی تو اس کی جملہ جائز ضروریات (نہ کہ تعیشات) کا وہ ضامن ہوگا مگر اس پر یہ لازم نہیں کہ عین شادی کے موقع پر (جیسا کہ ہمارے معاشرے میں رواج ہے) سامان جہیز لاکر لوگوں کے سامنے رکھے اگرچہ اس کا گھر پہلے ہی سامان سے بھرا پڑا ہو۔ دورِ نبوی میں سوائے حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کی شادی کے موقع کے علاوہ کوئی ایسی شادی نظر نہیں آتی کہ عین شادی کے موقع پر خاوند کی طرف سے سامان جہیز دیا گیا ہو۔ حضرت فاطمہ الزہراء کے سامانِ جہیز کی تیاری کی پیشگی ضرورت بھی صرف اس لئے آئی تھی کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے زیر کفالت تھے اور ان کا الگ کوئی مکان یا گھریلو ساز و سامان نہ تھا اور نہ حضور ﷺ کی باقی تینوں بنات طاہرات کی شادیوں کے موقع پر ایسا ہوا نہ ہی حضور ﷺ کی اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ نکاح کے موقع پر کسی قسم کا جہیز دیا گیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی تمام ازواج مطہرات میں صرف سیدہ عائشہؓ کنواری اور شادی کے وقت عمر میں بھی بہت چھوٹی تھیں۔ جہیز دینا کوئی شرعی حکم یا لازم ہوتا تو کم از کم شادی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے موقعہ پر انہیں ضرور دیا جاتا۔ مگر آں محترمہ کی رخصتی جس کمال سادگی اور خاموشی سے ہوئی، اسکی تفصیل بیان کرتے ہوئے خود فرماتی ہیں کہ ایک دن میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ کھیل رہی تھی۔ میری والدہ ام رومان نے مجھے بلایا۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ مجھے کس مقصد کے لیے بلا رہی ہیں۔ انہوں نے میرا منہ ہاتھ دھو کر مجھے ایک گھر میں داخل کر دیا جہاں کچھ انصار کی عورتیں موجود تھیں۔ انہوں نے مجھے دعاء دی اور مجھے نہلا دھلا اور تیار کر کے حضور اکرم ﷺ کے پاس بھیج دیا۔ (۵۳)

شرعی طور پر گھریلو ساز و سامان جب پہلے ہی سے خاوند کے ذمہ ہے اور اسے یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ مجھے لامحالہ یہ اشیاء بیوی کو مہیا کرنی ہیں تو عین شادی کے موقع پر ان اشیاء کا دکھانا عبث ہے۔ آخر زندگی بھر میں بیوی کو جو کچھ کھانا ہے، پہننا ہے، دوا کرنا ہے وغیرہ وغیرہ اسے تو کوئی نہیں دکھاتا۔ آں حضور ﷺ کے زمانے ہی کا ایک واقعہ ہے:

"عن خیثمة قال زوج النبی ﷺ امرءة ثم جهزها الی زوجها ولم یعطها شیئا" (۵۴)

حضرت خیثمہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک عورت کا نکاح کر دیا پھر اسے تیار کر کے اس کے خاوند کی طرف بھیج دیا حالانکہ اس کے خاوند نے اسے کوئی چیز نہ دی تھی۔

اسی طرح بعد کے ادوار میں بھی کہیں اس کا تذکرہ نہیں ملتا کہ عین شادی کے موقع پر سامانِ جہیز دینے کا رواج رہا ہو۔ مثلاً امام غزالی نے لکھا ہے:

''حضرت بلال حبشی اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہما ایک عرب قبیلے کے پاس آئے اور انہیں پیغامِ نکاح دیا، انہوں نے پوچھا تم کون لوگ ہو؟ ان دونوں حضرات نے جواب دیا کہ ہم گمراہ تھے ہمیں اللہ نے ہدایت نصیب فرمائی۔ ہم مملوک (غلام) تھے، اللہ نے ہمیں آزاد فرمایا اور ہم مفلوک الحال تھے، اللہ نے ہمیں غنی بنایا۔ اگر تم ہم سے اپنی لڑکیوں کی شادی کر دو تو الحمد للہ اور اگر نہ کرو تو سبحان اللہ۔ ان لوگوں نے کہا کہ (گھبراؤ نہیں) تمہاری شادی کر دی جائے گی اور سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں''۔ (۵۵)

اس واقعہ میں کہیں جہیز لانے کا ذکر نہیں اور ہوتا بھی کیوں کہ جہیز یعنی اثاثۂ بیت تو خاوند کی ذمہ داری ہے ہی، پھر اس کے ذکر کرنے کے کیا موقع تھا؟ اگر کوئی آدمی عورت کے نان نفقہ اٹھانے کی استطاعت نہیں رکھتا تو وہ شادی کا مکلف ہی نہیں۔ (۵۶)

عین شادی کے موقع پر جہیز کے لازمی نہ ہونے کے سلسلے میں حلیۃ الاولیاء لابی نعیم اصفہانی (۵۷) میں درج

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک واقعہ ہمارے لئے سبق آموز ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مشہور تابعی حضرت سعید بن المسیب کے پاس ایک آدمی آیا جایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ کئی دن غائب رہا اور کافی عرصے کے بعد آیا تو حضرت سعید نے غائب ہونے کی وجہ دریافت کی۔ اس نے بتایا کہ اس کی بیوی فوت ہوگئی تھی لہذا مصروف رہا۔ حضرت سعید نے اس سے پوچھا کیا تو نے کوئی دوسری شادی کر لی ہے؟ اس نے بتایا کہ میں فقیر آدمی ہوں مجھے کون رشتہ دے گا؟ حضرت سعید نے دو درہم مہر کے عوض وہیں اس کا نکاح اپنی بیٹی سے کر دیا۔ وہ آدمی جب گھر چلا گیا تو شام کو خود اپنی بیٹی کا ہاتھ پکڑ کر اس کے گھر چھوڑ آئے۔ حضرت سعید کی یہی صاحبزادی تھیں جن کے رشتہ کے لئے عبدالملک بن مروان نے پیغام بھیجا تھا مگر آپ نے اسے قبول نہیں کیا۔ اس واقعہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ شادی کے موقع پر خاوند یا بیوی کی طرف سے سامانِ جہیز دیا جانا ضروری نہیں اور نہ ہی یہ کوئی نکاح اور شادی کا لازمہ ہے ورنہ سعید بن مسیّب جیسا متبع سنت تابعی اس کی خلاف ورزی نہ کرتا۔

لڑکی یا اس کے والدین سے جہیز کا مطالبہ شرعاً ناجائز ہے:

گزشتہ بحث سے یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ سامانِ جہیز خاوند کی ذمہ داری ہے اور وہ جملہ ضروری گھریلو اشیاء کے مہیا کرنے کا پابند ہے لہذا خاوند کو اس بات کا قطعاً حق نہیں کہ وہ بیوی یا اس کے والدین سے جہیز کا مطالبہ کرے یا انہیں مجبور کرے۔ اس سلسلے میں مزید وضاحت کے لیے یہاں چند فقہاء کی تصریحات کا مطالعہ بے جا نہ ہو گا۔ المحلی لابن حزم میں ہے:

”ولا یجوز ان تجبر المرء ة علی ان تتجهز الیه بشیء اصلا لا من صداقها الذی اصدقها ولا من غیره من سائر ما لها والصداق کله لها تفعل فیه کله ما شاء ت لااذن للزوج فی ذالك ولا اعتراض وهو قول ابی حنیفة والشافعی وابی سلیمان وغیرهم“ (۵۸)

”عورت کو اس بات پر مجبور کرنا جائز نہیں کہ وہ خاوند کے پاس سامانِ جہیز لائے نہ ہی اس مہر کی رقم سے جو خاوند نے اسے دی ہے اور نہ ہی اس کے دوسرے اپنے مال سے۔ مہر سارے کا سارا اس کی ملکیت ہے اس میں وہ جو چاہے کرے۔ خاوند کو اس میں کسی قسم کا دخل دینے کا حق نہیں۔ یہ قول امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور ابی سلیمان رحمہم اللہ وغیرہ کا ہے“۔

کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ میں ہے:

”فاذا تزوجها علی الف جنیه مهرا وکانت العادة ان مثل هذا المهر یقابل بجهاز کبیر یلیق بحالهما ولکنها لم تفعل فانه لاحق للزوج فی مطالبتها بالجهاز۔۔۔۔ فانه یجب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علی الرجل ان یعد للمرأۃ محلا یشتمل علی حاجیات المعیشۃ" (۵۹)

''اگر کوئی آدمی ایک ہزار مہر پر کسی عورت سے نکاح کرے اور عادت یہ ہو کہ اتنا مہر ایک بڑے جہیز کے مقابلے میں ہوتا ہو مگر وہ عورت ایسا نہ کرے (جہیز نہ لائے) تو خاوند کو اس بات کا حق نہیں کہ وہ اس سے جہیز لانے کا مطالبہ کرے۔ کیونکہ شوہر پر واجب ہے کہ وہ عورت کے لئے ایسی رہائش کی جگہ تیار کرے جو ضروریاتِ زندگی پر مشتمل ہو''۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"الصحیح انہ لا یرجع علی اب المرأۃ بشیء لان المال فی النکاح غیر مقصود" (۶۰)

صحیح یہ ہے کہ خاوند بیوی کے باپ سے کسی شے کا مطالبہ نہ کرے کیونکہ مال نکاح میں مقصود نہیں ہے۔

الاحکام الشرعیۃ میں ہے:

"لیس المال بمقصود فی النکاح فلا تجبر المرأۃ علی تجھیز نفسھا من مھرھا ولا من غیرہ ولا یجبر ابوھا علی تجھیزھا من مالہ فلو زفت بجھاز قلیل لا یلیق بالمھر الذی دفعہ الزوج او بلاجھاز اصلا فلیس لہ مطالبتھا فلا مطالبۃ ابیھا بشیء منہ ولا تنقیص شیء من مقدار المھر الذی تراضیا علیہ" (۶۱)

''نکاح میں مال مقصود نہیں لہٰذا، عورت کو اپنے مہر کی رقم یا کسی دوسری رقم سے اپنے لئے سامانِ جہیز لانے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی اس کے والد کو مجبور کیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی گرہ سے جہیز دے۔ اگر عورت اتنا کم جہیز لائے کہ وہ اس مہر کی مقدار کے شایانِ شان نہ ہو جو خاوند نے اسے دی ہے یا سرے سے جہیز لائے ہی نہ تو خاوند اس بات کا مجاز نہیں کہ وہ اس سے یا اس کے والد سے جہیز میں سے کسی چیز کا مطالبہ کرے اور نہ ہی اسے یہ حق ہے کہ وہ اس مہر کو کم کرے جس پر فریقین (میاں، بیوی) راضی ہو چکے ہیں''۔

مروجہ جہیز سنت نہیں:

مروجہ جہیز یعنی شادی کے موقع پر والدین کا اپنی گرہ سے سامانِ جہیز خرید کر لڑکی کے ساتھ بھیجنے کو عموماً سنتِ نبوی تصور کیا جاتا ہے۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اس مغالطہ کا باعث وہ روایت ہے جسے امام احمد بن حنبل اپنی مسند (۶۲) حاکم اپنی مستدرک (۶۳) اور امام نسائی اپنی سنن (۶۴) میں اور دوسرے محدثین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تقریباً ایک جیسے الفاظ کے ساتھ لائے ہیں۔

سنن نسائی کے الفاظ یہ ہیں:

”عن علی رضی الله عنه قال جهز رسول الله ﷺ فاطمة فی خمیل وقربة ووسادة حشوها اذخر“

”حضرت علی المرتضیٰؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جناب فاطمہ الزہراءؓ کو تیار کیا ایک چادر، مشکیزے اور ایک تکیے میں جس میں اذخر گھاس بھری ہوئی تھی“۔

اس روایت سے ”مروجہ جہیز“ کو سنت نبوی سمجھنا بوجوہ غلط ہے:

اولاً: اس روایت میں موجود لفظ جَھَّزَ کو ”جہیز دینا“ کے معنی میں استعمال کرنا لغوی اعتبار سے غلط ہے۔ جھّز کا مصدر تجھیز ہے اور تجھیز کے معنی مطلق تیاری کے ہیں مثلاً:

۱۔ جب ایک جماعت کے لئے رخصت سفر مہیا کیا جائے تو کہیں گے۔ جهز القوم

۲۔ اسی طرح جهّز الغازی کا مطلب ہے غازی کے لئے سامان حرب مہیا کرنا۔

۳۔ جهّز فلانا کے معنی ہیں فلاں کے لئے رخت سفر تیار کرنا۔

۴۔ جهّز العروس کے معنی ہیں دُلہن کا سامان مہیا کرنا۔

۵۔ جهز لمیت کا معنی ہے مردے کے کفن وغیرہ کا سامان مہیا کرنا۔(۶۵)

اس تصریح سے واضح ہوگیا ہوگا کہ جهز تجهیزا کے معنی ہیں کسی مقصد کے لئے کسی کو تیار کرنا۔ اس تیاری کے ساز وسامان کو عربی میں جہاز کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

”وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ“ (۶۶)

اور جب یوسف علیہ السلام نے ان (بھائیوں) کا (راشن) تیار کر دیا۔

اب یہاں یہ معنی تو نہیں لیا جا سکتا کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کو جہیز دیا۔ اسی طرح کئی ایک احادیث ہیں جن میں جهز کا لفظ استعمال ہوا ہے مگر وہاں ”جہیز“ کا معنی لینا ٹھیک نہیں مثلاً:

(۱) سنن ابن ماجہ میں ہے:

”ان رسول الله ﷺ اتی علیا وفاطمة وهما فی خمیل لهما والخمیل القطیفة البیضاء من الصوف قد کان رسول الله ﷺ جهزهما بها۔۔۔۔ الخ“ (۶۷)

حضور ﷺ حضرت علی اور حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہما) کے پاس تشریف لائے اور وہ دونوں ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سفید اونی چادر میں تھے جو آپ نے انہیں عنایت کی تھی۔

اب اگر جھز کا معنی جہیز لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ نے بیٹی کے علاوہ اپنے داماد کو بھی جہیز دیا جو عقلاً اور نقلاً غلط ہے۔

(۲)"عن عائشة وام سلمة قالتا امرنا رسول الله ﷺ ان تجهز فاطمة حتى ندخلها على علي فعمدنا الى البيت ففرشناه ترابا لينا من اعراض البطحاء الخ" (۶۸)

حضرت عائشہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ہم فاطمۃ الزہراء کو تیار کر کے علی المرتضیٰ کے پاس داخل کر دیں چنانچہ ہم اس تیاری کے ضمن میں گھر کی طرف متوجہ ہوئیں۔ اسے سرزمینِ بطحا کی نرم مٹی سے لیپا پوتا۔ (اس کے بعد روایت میں گھر کی دوسری تیاری کا تذکرہ ہے۔)

اب اس روایت میں بھی جھز کا معنی "جہیز" دینا کسی قیمت پر نہیں لیا جا سکتا۔

غزوۂ خیبر کے موقع پر ام المومنین حضرت صفیہؓ بنت حیی کے ساتھ دوران سفر حضور ﷺ کے نکاح کا تذکرہ یوں ہے:

"حتى اذا كان بالطريق جهزتها له ام سليم فاهدتها له من الليل۔۔۔ الخ" (۶۹)

جب آپ ﷺ راستہ میں تھے تو ام سلیم نے حضرت صفیہؓ کو رات میں آپ ﷺ تک پہنچا دیا۔

اب یہاں بھی جھز کا معنی "جہیز دینا" نہیں لیا جا سکتا۔

المختصر جھز کا معنی جہیز دینا نہیں بلکہ مطلق ہر قسم کے رخت کے لئے ہے صرف دلہن کے لئے نہیں۔ لطف تو یہ ہے کہ اصطلاح "جہیز" کے لئے عربی زبان میں کوئی لفظ ہی موجود نہیں۔ عربی تلفظ کے اعتبار سے تو یہ لفظ ہی غلط ہے۔ عربی تلفظ میں "یا" ساکن کا ماقبل حرف مکسور ہوتا ہے مگر یہاں ایسا نہیں۔ بہرکیف اب جہیز کے لئے ایک عربی لفظ ایجاد ہوا ہے اور وہ ہے البائنۃ لیکن یہ لفظ مولد (۷۰) ہے اور مولد کے معنی یہ ہیں کہ یہ لفظ قدیم عربی لغت میں موجود نہ تھا اب اسے ضرورت کے ماتحت پیدا کیا گیا یا بنایا گیا ہے۔ اب سوچنے کی بات یہ ہے جس مفہوم کے لئے عربی میں کوئی لفظ ہی موجود نہیں وہ سنت رسول ﷺ کیسے ہو گیا؟

ثانیاً: مروجہ جہیز کو سنتِ نبوی سمجھنا اس لئے بھی صحیح نہیں کہ حضور ﷺ کی دیگر تینوں صاحبزادیوں کو اتنا سامان بھی نہیں دیا گیا۔ صرف بڑی صاحبزادی سیدہ زینبؓ کے حوالے سے کتب احادیث وسیرت میں یہ بات موجود ہے کہ ان کی والدہ ماجدہ سیدہ خدیجہؓ نے انہیں شادی کے موقع پر ایک (نہ کہ مروجہ جہیز کا سامان) عنایت فرمایا تھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس کا انکشاف غزوہ بدر کے مکی قیدیوں کی رہائی کیلئے آمدہ فدیہ جات کے موقعہ پر ہوا۔ جسے دیکھ کر نبی رحمت ﷺ پر رقت طاری ہوئی اور حضور ﷺ کی خواہش پر وہ ہار سیدہ زینبؓ کو واپس لوٹا دیا گیا اور ان کے شوہر حضرت ابوالعاص کو بغیر فدیہ کے رہا کر دیا گیا۔ (۷۱) مگر اس واقعہ سے مروجہ جہیز کے سنت ہونے پر استدلال اس لیے بھی صحیح نہیں کہ یہ واقعہ بعثت نبوی سے پہلے کا ہے دوسرے حضور ﷺ کی رحمۃ للعالمین اور عادل و منصف ذات سے یہ بات بعید ہے کہ آپ ﷺ اپنی اولاد مبارکہ میں کسی قسم کا ترجیحی سلوک روا رکھیں۔ جہاں تک ظاہری معاملات اور لین دین یا عطیات کا تعلق ہے، ان میں کسی لڑکی یا لڑکے کو دوسری اولاد پر ترجیح دینا خلاف شرع ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

"ساووا بین اولادکم فی العطیة فلو کنت مفضلا احد الفضلت النساء" (۷۲)

''تم عطیہ دینے میں اولاد کے درمیان برابری کرو۔ اگر کسی کی تفضیل یا ترجیح جائز ہوتی تو میں عورتوں کو فضیلت دیتا''۔

اس سے بھی واضح ایک روایت یوں ہے:

''حضرت نعمان بن بشیر کہتے ہیں میرے والد (بشیر) نے مجھے بطور ہبہ کوئی چیز عطا کی۔ میری والدہ نے ان سے کہا کہ اس ہبہ پر رسول مقبول ﷺ کو گواہ بناؤ۔ چنانچہ انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے حضور ﷺ کے پاس لائے اور عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ اس لڑکے کی ماں نے مجھ سے مطالبہ کیا کہ میں اسے بطور ہبہ کچھ دوں، چنانچہ میں نے اس کے نام ہبہ کر دیا۔ اب کہتی ہے کہ میں اس ہبہ پر آپ کو گواہ بناؤں۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کیا تمہاری کوئی اور اولاد بھی ہے؟ والد صاحب نے عرض کیا ہاں۔ آپ ﷺ نے پوچھا کیا تم نے تمام کو اسی طرح ہبہ کیا ہے جس طرح اس لڑکے کو کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا: تب مجھے اس پر گواہ نہ بناؤ کیونکہ میں ظلم پر گواہ نہیں بنتا۔ تمام اولاد کا تجھ پر یہ حق ہے کہ تو ان میں برابری کرے''۔ (۷۳)

معلوم ہوا کہ حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کا جہیز (اگر اسے جہیز کا نام دیا جا سکے) حضور ﷺ کی طرف سے کوئی عطیہ نہ تھا ورنہ حضور ﷺ اپنی دوسری صاحبزادیوں کو بھی ضرور کچھ عنایت فرماتے۔

ثالثاً: جس طرح قرآن کا بعض بعض کی تفسیر اور وضاحت کرتا ہے اسی طرح بعض احادیث بھی بعض کی وضاحت اور تفصیل بیان کرتی ہیں۔ سنن نسائی کی مذکورہ بالا حدیث میں، حضرت علی المرتضیٰؓ کے حوالے سے حضرت فاطمہؓ کو سامان تیاری دینے کی نسبت اپنے باپ ﷺ کی طرف ہے جس سے یہ شبہ پڑتا ہے کہ یہ سامان حضور ﷺ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے اپنے پاس سے دیا تھا۔اس کے مقابلے میں دیگر بہت سی روایات ہیں جن میں یہ بات صراحت سے مذکور ہے کہ یہ مختصر سامان اسی رقم سے خریدا اور تیار کیا گیا تھا جو حضرت علی المرتضیٰ نے اپنی زرہ بیچ کر بطور مہر پیشگی آنجناب ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کر دی تھی۔

زرقانی (۷۴) شرح المواہب اللدنیہ میں ہے:

''آخر میں (علی المرتضیٰ) نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا کہ کیا آپ ﷺ فاطمہ کا رشتہ مجھ سے پسند فرمائیں گے؟ آپ ﷺ نے پوچھا: کیا تمہارے پاس (مہر کے لئے) کچھ (مال) ہے؟ میں نے عرض کیا: میرا گھوڑا ہے یا زرہ۔ فرمایا: گھوڑے کی تو بہرحال تمہیں ضرورت رہے گی۔ رہی زرہ تو اُسے فروخت کر دو۔ چنانچہ میں نے وہ زرہ حضرت عثمان بن عفانؓ کے ہاتھ چار سو اسی درہم میں فروخت کر دی۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے وہ زرہ بھی واپس کر دی۔ حضرت علی وہ زرہ اور رقم لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں آئے۔ حضور ﷺ نے عثمانؓ کے حق میں دعائے خیر فرمائی جیسا کہ ایک روایت میں ہے۔ پھر میں (علیؓ) رقم لے کر آیا اور حضور ﷺ کی گود میں رکھ دی۔ حضور ﷺ نے اس میں سے ایک مٹھی بھر کر حضرت بلال سے فرمایا: اس رقم کی خوشبو خرید کر ہمارے پاس لاؤ۔ ابن خثیمہ نے حضرت علی کی زبانی جو روایت بیان کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں کہ: ان چار سو اسی درہم کی تہائی خوشبو میں صرف کی جائے۔۔۔۔۔۔ پھر حضور ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ ان (فاطمہ) کا سامان مہیا کریں چنانچہ ان کے لئے ایک بنی ہوئی چارپائی اور ایک چرمی تکیہ جس میں کھجور کی کھال بھری تھی تیار کیے گئے''۔ (۷۵)

ایک شیعہ عالم کی روایت اس سے بھی زیادہ واضح ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کے ہاتھ جب زرہ بیچ کر رقم آپ کی جھولی میں ڈال دی تو آپ ﷺ نے اس میں سے دو مٹھی بھر کر حضرت ابوبکرؓ کے حوالے کیں اور فرمایا اس رقم سے فاطمہؓ کے لئے کپڑے اور گھر کا سامان خرید و۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ حضرت عمار بن یاسرؓ اور دیگر صحابہ بازار گئے۔ باقی صحابہ مختلف اشیاء حضرت ابوبکرؓ کو دکھاتے اور مشورہ طلب کرتے۔ جس چیز کو حضرت ابوبکرؓ پسند فرماتے وہ خرید لی جاتی۔ چنانچہ اس طرح ایک قمیص، ایک اوڑھنی، ایک خیبری سیاہ چادر، ایک بنی ہوئی چارپائی، بستر کے دو گدے، ایک صوف کا کپڑا، ایک چمڑے کا مشکیزہ اور دودھ کے واسطے لکڑی کا ایک مٹی کا کوزا خرید لیا گیا۔ یہ سامان جب آپ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا تو آپ ﷺ نے یوں دعا فرمائی:

"بارك الله لاهل البيت" (۷۶)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

باری تعالیٰ اہل بیت کے لئے برکت عطا فرمائے۔

علاوہ ازیں شیعہ سنی ہر دو مکاتب فکر کی کتب مثلاً ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ، تاریخ طبری، تاریخ الامام بخاری، کتاب السنن لسعید بن منصور، مناقب ابن شہر آشوب، کشف الغمہ لعلی بن عیسیٰ جیلی، بحار الانوار ملا باقر مجلسی وغیرہ میں یہ امر بڑی وضاحت سے بیان ہوا ہے (جس کی تفصیل یہاں ممکن نہیں) کہ یہ سارا سامان حضرت علی المرتضیٰؓ کی پیش کردہ رقم مہر سے خریدا گیا تھا نہ کہ حضور ﷺ کے اپنے مال سے۔

انہیں روایات میں مناقب لاخطب خوارزم کی روایت میں حضور ﷺ نے ایسے الفاظ استعمال فرمائے ہیں جن سے اچھی طرح مترشح ہوتا ہے کہ یہ سامان مروجہ سامان جہیز نہ تھا بلکہ ایک ضرورت تھی۔ جس کے بغیر کوئی چارہ کار نہ تھا۔ حضرت علی المرتضیٰؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے ابوالحسن! جا اور اپنی زرہ بیچ کر رقم میرے پاس لا "حتی اھی لك ولا بنتی فاطمة ما یصلحکما الخ" (۷۷) تاکہ میں تمہارے لئے اور اپنی بیٹی فاطمہ کے لئے وہ سامان تیار کروں جس کی تمہیں ضرورت ہوگی۔

رابعاً: قرآن و سنت اور کتب فقہ میں ازدواجی زندگی کی پوری تفاصیل موجود ہیں۔ قرآن نے ہدایات دیں اور صاحب قرآن علیہ التحیة والتسلیم نے معاشرے میں اُن کی عملی تفسیر فرمائی۔ عہد نبوی اور پھر خلفائے راشدین کے زمانے میں ازدواجی زندگی سے متعلق مختلف مسائل سامنے آئے اور ہر پیش آمدہ مسئلے کا حل بتا دیا گیا مثلاً جائز ناجائز رشتے، نکاح، طلاق، ظہار، ایلاء، لعان، خ ع، مفقود الخبر، حلالہ، مہر، دعوت، حضانت، رضاعت، تجدید نکاح، عقد ثانی، نان نفقہ وغیرہ۔ ان تمام مسائل میں جو چیز نظر نہیں آتی وہ مسئلہ جہیز ہے۔ پھر یہ کہ قرون اولیٰ کی شادیوں میں اس کا کہیں وجود نظر نہیں آتا۔

قرآن و سنت، کتب فقہ اور قرون اولیٰ کی شادیوں میں جہیز کا نہ پایا جانا بھی اس بات کا قرینہ ہے کہ یہ سنت نہیں۔ ورنہ وہ لوگ ہم سے کہیں زیادہ متبع سنت تھے۔

خامساً: زیر بحث معاملے میں اصل بات یہ تھی کہ حضور اکرم ﷺ سیدہ فاطمہ کے والد ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت علی المرتضیٰؓ کے سرپرست اور ولی بھی تھے۔ حضور ﷺ نے اپنے چچا ابوطالب کے کثیر العیال ہونے کے باعث انہیں بچپن سے ہی اپنی کفالت میں لے لیا تھا۔ (۷۸) اور ہر ولی و سرپرست کے لیے ضروری ہے کہ وہ لڑکے کی شادی کے ساتھ اس کے لیے گھر اور گھریلو ساز و سامان کا انتظام کرے اور یہ ساز و سامان بھی جیسا کہ اوپر تفصیل سے گزرا حضرت علی المرتضیٰؓ کی طرف سے پیشگی مہر (مہر معجّل) کی رقم سے خریدا گیا تھا۔

خلاصۂ بحث:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

درجہ بالا تمام تفصیل اور بحث کا خلاصہ یہ کہ شادی پر لڑکی کو والدین کا جہیز دینا کوئی شرعی حکم نہیں ہے، نہ ہی یہ لازمہ نکاح ہے اور نہ ہی سنت ہے۔ جہیز کا جملہ سامان مہیا کرنے کا ذمہ دار خاوند ہے، گھریلو ساز وسامان تو الگ رہا نبی اکرم ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کے لئے خوشبو بھی مہر کی رقم سے منگوائی۔ یہ سب کچھ تعلیم امت کے لئے تھا ورنہ آنجناب ﷺ اگر چاہتے تو احد پہاڑ کو سونا بنا کر فاطمہؓ کو جہیز میں دے دیتے۔ اس کے باوجود جب یہ رسم (والدین کا شادی کے موقع پر سامان جہیز دینا) ہمارے معاشرے میں آ گئی ہے اور صرف آ ہی نہیں گئی بلکہ جڑ پکڑ چکی ہے، دوسرے یہ کہ فطری طبعی اور پدری تقاضوں کے مطابق کوئی والد نہیں چاہتا کہ وہ اپنی نور نظر، لخت جگہ کو ہمیشہ کے لئے گھر سے رخصت کرتے وقت بطور نشانی ساتھ کچھ نہ دے تو اس رسم کو چند قیود کے ساتھ "الاصل فی الاشیاء الاباحة" فقہی قاعدہ کے تحت مباح کا درجہ دیا جا سکتا ہے اور ہمارے بعض متاخرین فقہا نے اس کو اپنی کتابوں مثلاً فتاویٰ عالمگیری اور فتاویٰ شامی وغیرہ میں جگہ دی ہے۔ لیکن اس کو حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی پاک ذات کی طرف منسوب کر کے جو ایک مذہبی تقدس دیا جاتا اور اس مذہبی تقدس کی آڑ میں جو نمود و نمائش اور اظہار دولت کیا جاتا ہے اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے اور برتری حاصل کرنے کی جو سعی نامشکور کی جا سکتی ہے وہ بہرکیف غلط ممنوع، خلاف شرع اور خلاف قرآن و سنت ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حوالہ جات وحواشی

(۱) سورۃ الانبیاء۲۱:۲۲

(۲) سورۃ النساء۴:۳۴

(۳) بلیاوی،مولانا،عبدالحفیظ،مصباح اللغات،ایچ ایم سعید کمپنی کراچی،۱۹۷۳ء،ص۷۱۶(تحت مادہ قوم)

(۴) رازی،امام،فخرالدین،التفسیر الکبیر،مکتبہ علوم اسلامیہ لاہور،(الطبعۃ الرابعۃ) س۔ن،۷۰/۴

(۵) زمخشری، جاراللہ،محمود بن عمر، تفسیر الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوہ التاویل،مرکز اہل السنہ برکات رضا،گجرات انڈیا۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ء،۴۹۵/۱

(۶) تفسیر ماجدی،تاج کمپنی لاہور(طبع جدید،یک جلد)ص۹۱

(۷) تفہیم القرآن،سروسز بک کلب لاہور،۱۹۹۱ء،۳۴۹/۱

(۸) سورۃ النساء۴:۳۲

(۹) بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح ،کتاب المغازی باب کتاب النبیؐ الی کسری و قیصر، طبع کلاں قدیمی کتب خانہ،کراچی،۶۳۷/۲

(۱۰) حوالہ مذکور(کتاب الفتن)باب نمبر۱۸)۱۰۵۲/۲

(۱۱) سورۃ البقرۃ۲:۲۸۶

(۱۲) سورۃ الاحزاب۳۳:۳۳

(۱۳) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم،داراحیاء التراث العربی بیروت،۱۳۸۸ھ/۱۹۶۹ء،۴۸۲/۳

(۱۴) تفسیر مظہری: ندوۃ المصنفین دہلی طبع ثالث۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء،۳۳۸/۷

(۱۵) قرطبی، ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری، الجامع للاحکام القرآن دار احیاء التراث العربی بیروت س۔ن ۱۷۹/۱۴

(۱۶) اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام، فاران فاؤنڈیشن لاہور، ۱۹۹۸ء،(جدید ایڈیشن)ص۱۱۳

(۱۷) دیکھیے: بخاری، الجامع الصحیح ،کتاب النکاح باب المرأۃ راعیۃ فی بیت زوجھا،۷۸۳/۲؛ صحیح بخاری، کتاب الاحکام، باب قول اللہ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول الخ،۱۰۵۷/۲نوٹ:امام بخاری اس حدیث کو اپنی صحیح میں کئی مقامات پر لائے ہیں اور اس ایک حدیث سے متعدد مسائل واحکام کا استنباط کیا ہے مثلاً دارالسلام کی ترقیم کے مطابق حدیث نمبر۸۹۳۔۲۰۰۹،۲۵۵۴۔۲۷۵۱۔۵۱۸۸۔۵۲۰۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلم بن حجاج، قشیری، الصحیح (مع شرح نووی) کتاب الامارۃ، باب فضیلۃ الامیر العادل الخ، طبع کلاں، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۲/ ۱۲۲؛ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، السنن، کتاب الخراج والفئی والامارۃ، باب ما یلزم الامام من حق الرعیۃ، مکتبہ رحمانیہ لاہور، ۲/ ۵۸، رقم الحدیث ۲۹۲۸

(۱۸) محمد بن یوسف صالحی شامی، سبل الھدیٰ والرشادفی سیرۃ خیر العباد (سیرت شامی) دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء، ۱۱/ ۴۱

(۱۹) مثلاً ایک حدیث میں ھادی عالم ﷺ اپنے نور نبوت سے دیکھتے ہوئے لوگوں کو بتایا ''المرأۃ عورۃ فاذا خرجت استشرفھا الشیطان'' عورت سرتا پا پردہ اور چھپانے کی چیز ہے۔ چنانچہ جب وہ گھر سے نکلتی ہے تو شیطان (یا شیطان صفت آدمی) اسے جھانک جھانک کر دیکھتا ہے۔
دیکھیے: ترمذی، الجامع (ابواب الرضاع والطلاق باب ما جاء فی کراھیۃ الدخول علی المغیبات)، مکتبہ رحمانیہ لاہور، ۱/ ۳۵۱؛ اسی طرح ملازم پیشہ خاتون کا عموماً کودسر ہو جانا، میاں بیوی کے درمیان شکوک وشبہات کا جنم لینا، بچوں کا ماں کی مامتا سے محروم ہونا اور گھر کا سکون تباہ ہو جانے جیسی خرابیاں اس کے علاوہ ہیں۔

(۲۰) الکاسانی، ابوبکر علاؤ الدین مسعود، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع (اردو ترجمہ) مرکز تحقیق دیال سنگھ لائبریری، لاہور، ۱۹۹۳ء، ۱/ ۵۱۰

(۲۱) ملا علی قاری، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح (باب الجماعۃ وفضلھا) مکتبہ امدادیہ، ملتان، س۔ن، ۳/ ۵۱

(۲۲) خطیب، تبریزی، مشکوٰۃ المصابیح، (کتاب الصلوٰۃ باب الجماعۃ وفضلھا۔ الفصل الثانی) ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ۱۳۹۹ھ، ص ۹۶

(۲۳) حوالہ سابق

(۲۴) حصکفی، علاؤ الدین، الدر المختار بمع حاشیہ رد المختار، (کتاب الصلوٰۃ، باب الامامۃ)، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء، ۲/ ۲۶۳

(۲۵) ملاحظہ ہو: ابن الاثیر الجزری، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، (ترجمہ اسماء بنت یزید)، دار المعرفۃ بیروت، ۱۴۲۲ھ/ ۲۰۰۱ء، ۵/ ۲۱۶، نمبر شمار ۶۷۱۹

(۲۶) خواتین کی ملازمت اور اسلامی تعلیمات (۱۸واں سیمینار اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا، ۲۰۰۹ء) الفا پبلی کیشنز نئی دہلی، ۲۰۱۰ء، ص ۱۱۳

(۲۷) سورۃ البقرۃ ۲: ۲۳۳

(۲۸) سورۃ الطلاق ۶۵: ۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۲۹) مسلم بن حجاج،قشیری،الصحیح: (کتاب الحج باب حجة النبی)قدیمی کتب خانہ کراچی،۱/۳۹۷
(۳۰) فتاویٰ ہندیہ، کتاب الطلاق باب فی النفقات۔ الفصل الاول،مطبعۃ الکبری الامیریہ مصر،۱۳۱۵ھ،۱/۵۴۴
(۳۱) مرغینانی، برہان الدین،الہدایہ مع الدرایہ، کتاب الطلاق باب النفقة،اسلامی کتب خانہ لاہور،س۔ن،۲/۴۴۱
(۳۲) فتاویٰ ہندیہ،(باب فی النفقات۔ الفصل الرابع)،۱/۵۶۳
(۳۳) حوالہ مذکورہ،(باب مذکور۔ الفصل الخامس)،۱/۵۶۴
(۳۴) مصطفیٰ سباعی، المرءۃ بین الفقہ والقانون بحوالہ مفتی انور علی اعظمی، خواتین کی ملازمت اور اسلامی تعلیمات (سیمینار اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا)،ص۱۷۲
(۳۵) سورۃ القصص:۲۳
(۳۶) مسلم،الصحیح، کتاب المساقاۃ باب فضل الفرس والزرع،۲/۱۵
(۳۷) حوالہ سابق،۱/۴۸۶
(۳۸) دیکھیے: بخاری،الصحیح، کتاب الذبائح والصید والتسمیة، باب ذبیحة الامة والمرأۃ،۲/۸۲۷
(۳۹) دیکھیے: بخاری،الصحیح، کتاب النکاح، باب الغیرۃ،۲/۷۸۶
(۴۰) ابوداؤد، السنن، کتاب الادب، باب فی مشی النساء فی الطریق،۲/۳۷۵،رقم الحدیث۵۲۷۲
(۴۱) حوالہ مذکور، کتاب الصلوٰۃ، باب فی اعتزال النساء فی المساجد عن الرجال،۱/۶۸،رقم ۴۶۲
(۴۲) قرآن مجید کی دوٹوک ہدایت ہے:"فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِىْ فِىْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا"(سورۃ الاحزاب:۳۲)یعنی اجنبی مردوں سے بات کرتے میں ایسی نرمی اورلوچ نہ دکھانا کہ جس کے دل میں (بری خواہش کی) بیماری ہے وہ لالچ کرے اور (ہاں) اچھی بات کہنا۔
(۴۳) روز نامہ نوائے وقت، لاہور، مؤرخہ 2 اگست 2000ء، (صفحہ آخر)
(۴۴) روز نامہ مذکور مؤرخہ 19 جولائی 2000ء، (صفحہ آخر)
(۴۵) السید سابق: فقہ السنة، (باب الجہاز) شرکۃ دار القبلۃ للثقافۃ الاسلامیۃ، جدہ، س۔ن،۲/۳۰۲
(۴۶) حوالہ سابق
(۴۷) مرغینانی،ھدایہ مع الدرایۃ، کتاب الطلاق، باب النفقة،اسلامی کتب خانہ لاہور،س۔ن،۲/۴۴۱
(۴۸) سورۃ الطلاق:۶
(۴۹) محمد ابوزہرہ،الاحوال الشخصیة،ص:۲۳۸،طبع دار الفکر العربی ۱۹۷۷ء
(۵۰) ایضاً
(۵۱) محمد عبداللہ، الکواکب الدریة فی فقه المالکیه،طبع قاہرہ،۱۴۰۱ھ۔۱۹۸۱ء،۲:۱۸۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۵۲) السید سابق۔ ۲/۲۰۳

(۵۳) بخاری، الصحیح (کتاب المناقب باب تزویج النبی عائشة الخ) قدیمی کتب خانہ کراچی، ۱/۵۵۱؛ ابن ماجہ، السنن (کتاب النکاح باب نکاح الصغار یزوجهن الآباء)، نور محمد کراچی، س۔ن، ص ۱۳۵

(۵۴) مصنف عبد الرزاق، ۶/۱۸۲، طبع مجلس علمی کراچی، ۱۳۸۲ھ۔۱۹۷۲ء

(۵۵) امام غزالی، احیاء العلوم: (کتاب آداب النکاح)، دار الکتب العلمیة، بیروت، س۔ن، ۲/۴۴

(۵۶) مشکوٰۃ المصابیح، طبع سعید کمپنی کراچی، ص: ۲۶۷

(۵۷) ابونعیم، اصبہانی، حلیة الاولیاء، دار الکتاب العربی بیروت، (الطبعة الثالثة)، ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء، ۲۔۱۶۷ تا ۱۶۹

(۵۸) ابن حزم اندلسی، المحلی، (احکام النکاح، مسئلہ: ۱۸۴۹)، المکتبة التجاری بیروت، س۔ن، ۹/۵۰۷

(۵۹) عبد الرحمٰن الجزیری، الفقه علی مذاهب الاربعه، (کتاب النکاح)، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۶۹ء، ۴/۱۷۶

(۶۰) فتاویٰ عالمگیری، طبع مصر، ۱۳۱۰ھ، ۱/:۳۲۸

(۶۱) لجنة احیاء التراث العربی، الاحکام الشرعیة فی الاحوال الشخصیه علی مذهب ابی حنیفه، طبع بیروت، ص ۳۹

(۶۲) احمد عبد الرحمٰن البنا: الفتح الربانی، ترتیب مسند احمد بن حنبل، دار احیاء التراث العربی، بیروت، س۔ن، ۱۶/۱۷۶

(۶۳) ابی عبد اللہ المعروف بالحاکم النیشاپوری، المستدرک، طبع حیدر آباد دکن، ۱۳۴۰ھ، ۲/۱۸۵

(۶۴) احمد بن شعیب نسائی، سنن، (کتاب النکاح، باب جهاز لرجل ابنته) مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۲/۹۲

(۶۵) دیکھیے: ابن منظور افریقی، لسان العرب (ماده جهز) بیروت، ۱۹۵۶ء، ۵/۳۲۵؛ سعید الخوری، اقرب الموارد (مادہ مذکور) بیروت، ۱۸۸۹ء، ص ۱۴۸

(۶۶) سورۃ یوسف: ۵۹

(۶۷) ابن ماجہ، السنن، کتاب الزهد، باب ضجاع آل محمد، مطبعہ مجتبائی دہلی، ص: ۳۱۷، رقم الحدیث ۴۱۵۲

(۶۸) ابن ماجہ، السنن، (کتاب النکاح باب الولیمة) ص ۱۳۷؛ محمد القاسمی المغربی، جمع الفوائد من جامع الاصول ومجمع الزوائد، طبع سمندری پاکستان، ۱/۳۸

(۶۹) بخاری، الصحیح، کتاب الصلوٰۃ، باب ما یذکر فی الفخذ، رقم الحدیث ۳۵۸؛ مسلم، الصحیح، کتاب النکاح، باب فضیلة اعتاق امته ثم یتزوجها، رقم الحدیث، ۲۵۶۱

(۷۰) بلیاوی، مولانا، عبد الحفیظ، مصباح اللغات، (عربی اُردو ڈکشنری) تحت مادہ بنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۷۱) دیکھیے: ابوداؤد، السنن کتاب الجهاد، باب فی فداء الاسیر بالمال،۲/۳۶۷؛ خطیب تبریزی، مشکوۃ المصابیح، باب حکم الاسراء، ص۳۴۶

(۷۲) علی متقی، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، طبع حیدرآباد، دکن،۲۲:۴۲

(۷۳) دیکھیے: مسلم، الصحیح، (کتاب الهبات، باب کراهة تفضیل بعض الاولاد فی الهبة)،۲/۳۶، حدیث نمبر:۴۱۷۷؛ احمد البنا، الفتح الربانی ترتیب مسند احمد، ۱۹: ۴۵؛ طحاوی، ابوجعفر احمد بن حجر، شرح معانی الآثار، (کتاب الهبة والصدقة، باب الرجل ینحل بعض بنیه دون بعض)، مکتبہ حقانیہ، ملتان،۲/۲۲۴

(۷۴) عربی عبارت خوف طوالت سے ترک کی جاتی ہے۔

(۷۵) محمد بن عبدالباقی رزقانی، شرح المواهب اللدنیه، طبع مصر،۱۳۰۵ھ، ص۲-۴

(۷۶) شیخ ابوجعفر طوسی، کتاب الامالی، طبع جدید نجف اشرف عراق،۱/۳۹

(۷۷) لاخطب خوارزم، مطبع حیدریہ نجف اشرف،،۱۹۶۵ء، ص۲۵۲

(۷۸) دیکھیے: ابن عبدالبر، الاستعاب، مکتبہ نہضہ، مصر، ص۳۸۱

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

© rasailojaraid.com